بسم اللہ الرحمن الرحیم
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ
ہم تیری ہی عبادت کریں اور تجھی سے مدد چاہیں آمین
اِعانت و اِستعانت
کی
شرعی حیثیّت
مصنّف
پیر سیّد نصیر الدّین نصیر
سجّادہ نشین
درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف
مہریہ نصیریہ پبلشرز
درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف E-11 اسلام آباد پاکستان
فون: 051-2292814

تمام پڑھنے والوں سے عاجزانہ درخواست ھے کہ میرے بچوں کی صحت اور تندرستی کیلئے دعا فرمائیے۔ اللّٰہ تعالیٰ آپ سب کو ہر مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے۔ آمین

نیاز مند۔ فاروق حسین گولڑوی

نامِ کتاب:	اِعانَت واِستِعانَت کی شرعی حیثیت
نامِ مصنّف:	پیر سیّد نصیر الدّین نصیؔر
بار:	اوّل
تعداد:	1100
کمپوزنگ وتزئین:	مُرسلین احمد گولڑوی
پروف ریڈنگ:	مولٰنا محمد اشفاق سعیدیؔ
	ربنواز، چکوال
نگرانیِ طباعت:	عبدالقیوم گولڑوی
ناشر:	مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف
مطبع:	عمران پرنٹرز، اسلام آباد
ہدیہ:	80روپے
سنِ طباعت:	صفر المظفر 1423ھ، مطابق مئی 2002ء

ملنے کا پتہ

اندرونِ ملک: مکتبۂ مہریہ نصیریہ، درگاہِ غوثیہ مہریہ، گولڑہ شریف

E-11اسلام آباد، پاکستان۔ فون:051-2292814

مکتبۂ ضیاءالقرآن، گنج بخش روڈ، لاہور

بیرونِ ملک: قاری فضل رسول، جامعہ حنفیہ مہریہ اینڈ مُسلم سنٹر.INC 32-13، گلی57th

ووڈسائیڈ نیویارک۔ آفس418ایونیو، پی بروک لائن، نیویارک 11223

فون:718-274-7813 فیکس:718-3396 385امریکہ

ترتیب

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	فہرستِ مضامین	صفحہ نمبر

اِعانت واِستعانت کی شرعی حیثیّت

لیجئے سُنیئے اب افسانۂ فُرقت مجھ سے
آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا

میرے اُردو مجموعۂ رباعیات رنگِ نظام کی بعض رباعیات پر اعتراض کیا گیا۔ معترض کے دلائل اگر قوی ہوں تو ایسے اعتراضات پر مجھے کوئی اعتراض نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ معترض کی نیّت صالح ہو اور وہ جویائے حق بھی ہو۔ مجھ سے بھی بڑے لوگوں پر اعتراضات کئے گئے اور یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے گا۔ کیونکہ تحقیق کے لئے اعتراض کرنا ہر انسان کا فطری حق ہے۔ مخالفین کے اعتراضات سننا حضور علیہ السّلام کی سُنّت ہے۔ علاوہ ازیں مشرکین نے تو اللہ تعالیٰ پر بھی اعتراضات کئے۔ جن کا ذکر قرآنِ مجید میں موجود ہے، یہ اور بات ہے کہ اگر آج کوئی شخص بزرگوں کی کسی عبارت یا نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے کوئی سوال کر بیٹھے تو اُسے بے ادب اور گستاخ کہا جاتا ہے۔ یہ ہمارے ماحول اور رسم و رواج کے پیدا کردہ مفروضات ہیں، اِن کا حقیقت سے کوئی تعلّق نہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کے لئے صرف اللہ اور اُس کے رسول علیہ السّلام کا کلام تنقید و اعتراض سے پاک اور بالاتر ہونا چاہیئے۔ اِس کے بعد کا فیصلہ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے یوں فرمایا: لَاتَنظُرْ اِلٰی مَن قَال اُنظُرْ اِلٰی مَا قَالَ۔ ترجمہ: یہ

نہ دیکھو کون کہہ رہا ہے یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے۔ یعنی بات کو اُس کے اپنے وزن کے حوالے سے دیکھنا چاہیئے نہ کہ بات کرنے والے کی شخصیت کے وزن کے حوالے سے۔ لہٰذا اللہ اور رسول کے کلام کے علاوہ کسی بھی شخصیت کا کلام تنقید و اعتراض سے بالا نہیں سمجھا جا سکتا اور یہ عقیدہ رکھنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے کلام پر تنقید و اعتراض مُوجبِ کفر ہے، جس سے ایک مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اِن کے علاوہ ہر انسان کے کلام پر بحث کی جا سکتی ہے اور دلائل کی روشنی میں اُس کلام کو غلط یا صحیح کہا جا سکتا ہے۔ جسے کوئی معقول انسان گستاخی و بے ادبی قرار نہیں دے سکتا۔ گنجائشِ تفصیل نہیں ورنہ بہ طورِ مثال ہم یہاں اُن تاریخی اختلافات کو مع دلائلِ فریقین نقل کرتے۔ ضرورت پڑی تو اِس موضوع پر الگ ایک مقالہ لکھیں گے، جس میں مشاہیرِ اسلام اور اکابرِ اُمت کے باہمی اختلافات کا تفصیلی ذکر کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ متاخرین نے متقدّمین کے پیش کردہ دلائل کو کس شانِ علمی سے رَد کرتے ہوئے اپنے موقف کو ثابت کیا اور اُن کو کسی نے نہ تو بے ادب و گستاخ کہا اور نہ ہی کوئی اُن کو ایسا کہنے کے حق میں ہے۔ اِس تفصیل میں جانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ آج کا مسلمان دھڑے بندیوں اور فرقہ پرستیوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا ہے اور اپنے اپنے اکابر کے کلام پر کسی قسم کے سوال اور اعتراض کو مُوجبِ کُفر سمجھتا ہے۔ شخصیّت پرستی اِسے ہی کہتے ہیں اور یہ شرعاً جائز نہیں۔ ہاں اگر کسی شخصیّت کا کلام قرآن و سُنّت کی تعلیمات کے مطابق ہو تو اُسے اِس نیّت سے قبول کر لینا چاہیئے کہ وہ مطابقِ قرآن و سُنّت ہے، نہ اِس لئے کہ اِس کے تسلیم کرنے کا سبب کوئی شخصیّت ہو۔ اُمّت اگر اِس فارمولے پر عمل پیرا ہوتی تو آج پارٹی بازیوں اور فرقہ واریت کے ہاتھوں پیش آمدہ نتائج سے دوچار نہ ہوتی۔ علّامہ اقبالؒ کو اِسی احساس نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ اُمّت روایات میں کھو گئی

حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کا عقیدہ

قرآن و سُنّت کے واضح اور غیر مُبہم ارشادات کے بعد کسی اور کی طرف لپکنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ جیسا کہ میرے جدِّ امجد حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ "قرآن و سُنّت میں جو کچھ آیا ہے ہمارا اُس پر ایمان ہے اور وہ ہمارے لئے واجب العمل ہے"۔ تمام اولیائے اُمّت اور علمائے مِلّت کا یہی دستور اور یہی عقیدہ تھا۔ اَب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

میری رباعی پر اعتراض

اعتراض یہ ہُوا کہ انّ الذین تدعون مِن دون اللّٰہ عبادٌ امثالکم کے تحت مَیں نے جو رباعی کہی ایک تو اِس کے تیسرے مصرعہ میں کہا کہ......ع

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے

کہہ کر آپ نے بیک وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے مانگنے سے روکا ہے۔ دُوسرا یہ کہ بشمولِ انبیاء و اولیاء آپ نے سب کو اللہ سے مانگنے والوں میں شُمار کیا ہے۔ تیسرا یہ کہ؛ یہ آیت بُتوں کے بارے نازل ہوئی اور اِس کے مخاطَب مُشرکین ہیں، آپ نے اہلِ ایمان کو مخاطَب بنایا اور نعوذ باللہ انبیاء و اولیاء کو اصنام قرار دیا اور چوتھا یہ کہ اِس آیت میں تدعون بہ معنیٰ تعبدون آیا ہے، جس کے معنیٰ ہیں؛ جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ جبکہ آپ نے پُکارنے اور مانگنے کا معنیٰ لیا ہے۔ بہ ظاہر یہ تمام اعتراضات وقیع اور لاینحل معلوم ہوتے ہیں، مگر مَیں ان شاء اللہ اِن کا جواب قرآن و سُنّت اور اکابرِ اُمّت کی تعلیمات سے پیش کروں گا۔

وماتوفیقی الا باللّٰہ العلیّ العظیم۔

حضرت ابنِ عربیؒ کا نظریہ

الجواب: آیات کے مخاطَب چاہے مُشرکین ہوں یا اصنام، قرآن و سُنّت کے اعتبار سے یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بشمول انسان کوئی بھی مخلوق لائقِ عبادت نہیں۔ یعنی

اللہ کے سوا کسی بھی مخلوق کی عبادت حرامِ قطعی ہے اور اِس کا فاعل مُشرک ہونے کے باعث دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اور اُس کے لئے خلود فی النّار (دوزخ میں ہمیشہ رہنے) کی وعید کتابُ اللہ میں متعدّد بار آئی ہے۔ اور نہ ہی اُس کی مغفرت کی اُمّید کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا، ورنہ کذبِ باری تعالیٰ لازم آئے گا۔

یہاں ایک بہت بڑے صوفی کی عربی عبارت مع اُردو ترجمہ نقل کی جاتی ہے تاکہ آج کل کے بعض نام نہاد عُشّاقِ اولیاء پر واضح ہو جائے کہ ایک صوفی جس کی علمی اور کشفی عظمت کے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ جیسے لوگ بھی قائل تھے، اور بقولِ حضرت پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہٗ، حضرت ابنِ عربیؒ، پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روحانی و معنوی فرزند ہیں۔ اُن کے نظریات کیا ہیں اور آج اُن کے معتقدین کے عقائد کی حالت کیا ہے؟ سیّدالمکاشفین حضرت محی الدّین ابنِ عربیؒ فرماتے ہیں۔ ولهذا كانت على اللّٰه الحُجّة البالغةُ على خَلقهٖ فتعيّنَ انّ الشِّركَ مِن مظالِمِ العباد فانّ الشّريك يأتى يومَ القيامةِ من كوكبٍ وّ نباتٍ وّ حيوانٍ وّ حَجَرٍ وّانسانٍ فيقُولُ يارَبِّ! سَل هٰذا الذّى جعلنى الٰهاً وصفَنِى بما لاينبغى لِى بمظْلمتى منه فيأخُذ اللّٰه لهٗ بِمَظْلمتِهٖ منَ المُشرِكِ فيُخلّدُه فى النّار مَعَ شريكهٖ اِن كانَ حَجَرًا او نَباتًا اَو حيوانًا اَو كوكبًا اِلّا الانسان الّذى لم يَرضَ بما نُسِبَت اليه ونهٰى عنه وكَرِهَ ظاهرًا وّباطنًا فَاِنّه لايكونُ معهٗ فى النّار وَاِنْ كانَ هٰذا مِن اَمرِهٖ وَمَامَات مُوحِّدًا ولاتَابَ كانَ معَهٗ فى النّارِ اِلّا اَنّ الّذى لايَرضٰى بذٰلك يُنصَبُ للمُشرك مثالُ صورَتهٖ يُدخَلُ مَعَهٗ ليُعَذّبَ بِهَا۔

ترجمہ: اور اِس لئے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر حُجّتِ کاملہ ہے لہٰذا یہ بات طے ہے کہ شرک مظالمِ عباد سے ہے (یعنی شرک ایک ایسا ظلم ہے جو مخلوق، مخلوق پر ڈھاتی ہے) کیونکہ شرک چاہے ستارہ، نباتات، جمادات، حیوانات یا نوعِ انسان سے ہو، (وہ معبودِ مزعوم) بروزِ قیامت

بارگاہِ ایزدی میں عرض کرے گا کہ اے میرے پروردِگار! اِس انسان سے پُوچھ، جس نے مجھے اللہ بنایا اور میرے وہ اوصاف بیان کئے جو میرے لئے مناسب نہ تھے لٰہذا اِس (انسان) نے مجھ پر جو ظلم کیا ہے، اِس کے بدلے میں اِسے سزا دے۔ پس اللہ تعالیٰ اُس مُشرک کو اِس ظلم کی وجہ سے سزا دے گا اور ہمیشہ کے لئے اُسے اُس کے شریک (پرستش کی ہوئی چیز) سمیت جہنّم میں ڈال دے گا، چاہے وہ شریک پتّھر، نباتات، حیوان یا ستارہ ہو۔ مگر وہ انسان اِس عذاب سے بچ جائے گا جو (دُنیا میں) اُن پر راضی نہ ہُوا جو باتیں اِس سے منسوب کی گئیں اور (زندگی میں) ایسی باتوں سے (لوگوں کو) ظاہری و باطنی طور پر (نہ صرف یہ کہ) منع کیا، بلکہ ناپسند بھی کرتا رہا۔ پس ایسا (خوش قسمت) انسان مُشرک (شرک کنندہ) کے ساتھ جہنّم میں نہ ہو گا اور اگر اِس قسم کی (مُشرکانہ) باتیں اِس انسان کے کہنے یا اُس کے حکم سے ہوئیں اور پھر اُس (انسان) کا اپنا خاتمہ بھی توحید پر نہ ہُوا اور نہ ہی اُس انسان نے توبہ کی تو ایسا (بدبخت) انسان اُس مُشرک کے ساتھ جہنّم میں ہو گا۔ لیکن پھر بھی جو شخص اِن باتوں پر راضی نہ ہُوا اُس کی مثالی صورت مُشرک (شرک کنندہ) کے ساتھ جہنّم میں داخل کی جائے گی تاکہ اِس طرح شرک کنندہ کو (ذہنی) عذاب دیا جا سکے۔ (ملاحظہ ہو فتوحاتِ مکّیہ، عربی، جلد اوّل باب 69، ص 725، مطبوعہ مصر)

حضرت ابنِ عربیؒ کے اِس موقف کی تائید درجِ ذیل دو آیات کرتی ہیں۔

1- اِنّکم وما تعبدون مِن دون اللّٰہ حَصَب جہنّم انتم لَھَا وارِدون۔

ترجمہ: اے مُشرکو! تم جن بُتوں کی عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنّم کا ایندھن ہوں گے تم اِس میں داخل ہونے والے ہو۔ (القرآن 21:98)

2. وقودھا النّاس والحجارہ۔

ترجمہ: جہنم کا ایندھن انسان اور پتّھر ہوں گے۔ (القرآن: سورۂ بقرہ، پارۂ اوّل)

جوابِ اعتراض

اِس تفصیلی جائزے سے یہ بات کُھل کر سامنے آ گئی کہ اللہ کے سوا کسی بھی مخلوق کی

عبادت قطعی حرام ہے، گویا انسان اور اصنام کے درمیان عبادت کی حُرمت قدرِ مشترک ٹھہری۔ پس یہ کہنا کہ اصنام کے بارے نازل شُدہ آیات کو انسانوں پر منطبق کرنا درست نہیں؛ غلط ٹھہرا، کیونکہ اگر تدعونَ کے معنٰی تعبدونَ کریں گے تو پھر مفہومِ ممنوعیّت اور بھی زیادہ سخت اور وسیع ہو جائے گا کہ ماسوی اللہ کی عبادت قطعاً حرام ہے، چاہے وہ اصنام ہوں یا برگزیدہ انسان، جس پر سب اہلِ اسلام کا اتّفاق ہے۔ اِس پوری کائنات میں اُجیب دعوۃ الدّاع اذا دَعان اور اُدعونی اَستجب لکُم کا آفاقی اعلان اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی انسان نہ کر سکا اور نہ کوئی اِس کے لائق ہے۔ دُوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ مَیں نے اگر اللہ کے بغیر کسی اور سے مانگنے سے روکا ہے تو مَیں نے سُنّتِ انبیاء پر عمل کیا ہے، کیونکہ تمام انبیاء کا اللہ ہی سے سوال کرنا اور مانگنا ثابت ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو، آیتِ کریمہ واللّٰہُ الغنیّ وانتمُ الفقرآء (سورۂ محمد، آیت 38) کہ اللہ غنی اور اے انسانو! تم سب اُس کے فقیر اور منگتے ہو؛ میں الف لام استغراق کا ہے، جس کے نتیجے میں تمام افرادِ انسان اِس میں داخل ہیں۔ کیونکہ ایک اور مقام پر یوں بھی اِرشاد ہوا: یٰآیّھَا النّاسُ أنتمُ الفقرآءُ اِلی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الغنیّ الحمید۔ ترجمہ: اے انسانو! تم سب کے سب اللہ کی طرف محتاج ہو اور وہ مطلق بے نیاز، تعریف کی جانے والی ذات ہے۔ اگر قرآن و سُنّت میں اللہ کے سوا کسی اور سے مانگنے کی نشاندہی اور اجازت موجود ہے، تو ثابت کیا جائے۔ اگر ثابت ہو گیا اور ذہن نے تسلیم کر لیا تو پھر ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر انبیاءؑ، اہلِ بیتؓ، صحابہؓ اور صوفیاء سمیت پُوری کائنات کو اللہ تعالیٰ کا سائل کہنے میں کسی کو کیا تکلیف ہے۔

اللہ سے مانگنا بندے کے لئے اعزاز ہے

خود سیّد الانبیاء علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کو اعزاز سے تعبیر فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم لیس شیٔ اکرم علی اللّٰہ من الدعاء۔
ترجمہ: دُعا سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی چیز پسندیدہ (مکرّم تر) نہیں۔ (رواہ الترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود ساری زندگی اللہ ہی سے مانگا اور اِس پر فخر کیا۔ علاوہ ازیں جن لوگوں کے لئے دستگیر، غوث، قطب اور غریب نواز جیسے الفاظ کہے جاتے ہیں، اُن میں سے ایک جلیل القدر شخصیّت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بارگاہِ ایزدی میں یوں عرض پرداز ہے ۔

اے جملہ بیکسانِ عالم را کس
یک جَو لطفت تمام عالم را بس
من بے کسم و کسے ندارم جز تو
للّٰہ ! بفریادِ منِ بے کس ، رس

حضرت پیرانِ پیرؒ کا عقیدہ

رباعی کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ ذات! کہ دُنیا کے تمام بے کس لوگوں کا سہارا تُو ہی ہے، تیری مہربانی اگر مقدار میں جَو کے برابر بھی ہو تو سارے جہان کے لئے کافی ہے۔ مَیں بے کس ہوں اور تیرے علاوہ میرا کوئی چارہ ساز نہیں۔ اے اللہ! اپنی ذات و صفات کے طفیل مجھ بے کس کی فریاد کو پہنچ۔ یعنی میری دستگیری فرما۔ اِس رباعی نے حضرت پیرانِ پیرؒ کا مدد مانگنے اور پُکارنے کے سلسلے میں عقیدہ واضح کر دیا۔ آپؒ کا ایسا بے شُمار عربی اور فارسی کلام ہے جو بطورِ سند پیش کیا جا سکتا ہے۔ خوفِ طوالت سے ایک رباعی پر اکتفا کیا گیا۔ ایک اور رباعی میں فرماتے ہیں ۔

ستّار توئی بپوش عیبم بکرم
کز خلقِ جہاں بہ لطف محتاج ترم
در ہر کہ نظر کنم بہ بینم ہنرے
جز عیب نہ بینم چو بخود می نگرم

کہ اے اللہ! تیری ذات ستّار ہے اِس لئے اپنے کرم سے میرے عیوب کی ستّاری فرما۔

اِس کے دوسرے مصرعہ میں فرمایا کہ ساری مخلوق سے زیادہ محتاج مَیں ہوں۔ دوسرے شعر کا

مفہوم ہے کہ "میں جہان بھر میں جس شخص کو دیکھتا ہوں مجھے اُس میں کوئی نہ کوئی خوبی نظر آتی ہے، لیکن جب اپنے گریبان میں جھانکتا ہوں تو مجھے سوائے عیوب اور خامیوں کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اور آپؒ نے اپنے درسِ توحید میں شامل ہونے والے عُشّاقِ ذاتِ احد کو کہ جن کا حال درج ذیل شعر کا مصداق ہے۔

مدرسے میں عاشقوں کے جس کی بسم اللہ ہو

اس کا پہلا ہی سبق یارو فنافی اللہ ہو

یوں شربتِ توحید پلایا کہ اُن کے قلوب و اذہان سے نقشِ ماسوی اللہ یکسر محو ہو گیا۔

چنانچہ حدیث شریف میں موجود ہے۔ عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لیسئل احدکم ربّهٗ حاجتهٗ کُلّها حتّٰی یسئل شِسعَ نعله اذا انقطع زاد فی روایة ثابت البنانی مرسلا حتی یسئله الملح حتی یسئله شسعهٗ اذا انقطع رواه الترمذی۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوت، ص 196 مطبع قدیمی کُتب خانہ، کراچی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک اپنے پروردِگار سے تمام حاجتیں ضرور طلب کرے، یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے (تو بھی اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرے) ثابت البنانی کی مُرسل روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں، یہاں تک کہ نمک بھی اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرے۔

اِستمداد و استغاثہ کے بارے حضرت پیرانِ پیرؒ کی وضاحت

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے اِستمداد و استغاثہ کے بارے اپنے خطبات اور تصانیف میں اِتنی وضاحت کی ہے، جتنی شاید اولیائے کرام میں سے کسی نے بھی نہ کی ہو۔ چنانچہ حضرتِ شیخؒ نے اِستعانت و استغاثہ کے مسئلہ کو فتوح الغیب مقالہ نمبر 42، ص 99، مطبوعہ مصر میں بہ طریقِ احسن واضح فرمایا ہے۔ حضرت ابنِ عبّاسؓ کی مروی حدیث کو بطورِ سند لاتے ہیں، فرماتے ہیں وھو ما روی عن عطاء عن ابن عباس

رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال بینما أنا ردیف رسول اللّٰہ ﷺ اذ قال لی یاغلام احفظ اللّٰہ یحفظك احفظ اللّٰہ تجده أمامك فاذا سألت فاسْئل اللّٰہ وَاذا استعنت فاستعِن باللّٰہ جفّ القلم بما هو كائن فلو جهد العبادأن ینفعوك بشئ لم یقضه اللّٰہ لك لم یقدرُوا علیه ولو جهَد العباد ان یضرّوك بشئ لم یقضه اللّٰہ علیك لم یقدرُوا علیه فان استطعت ان تعامل اللّٰہ بالصدق والیقین فاعمل وان لم تستطع فان فی الصّبر علی ماتکره خیرًا کثیرا واعلم انّ النصرة بالصّبر والفرج مع الکرب (وانّ مع العسرِ یسرًا)

ترجمہ: حضرت ابنِ عبّاسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مَیں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے ساتھ سواری پر بیٹھا ہُوا تھا کہ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا، اے بچے! تو حقوقِ الٰہیہ کی حفاظت کر اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے گا تو خیالات و معاملات میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھ تُو اسے ہر لحہ اپنے پاس محسوس کرے گا۔ پس سمجھ لے کہ جب بھی کوئی چیز مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ اور جب (کسی مشکل میں) مدد طلب کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کر۔ جو کچھ ہونا ہے وہ لکّھا جا چُکا اور قلم لکھ کر خشک ہو گیا، پس اگر مخلوق کی ایک کثیر جماعت بھی تجھے ذرّہ برابر نفع پہنچانا چاہے، مگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو وہ تجھے کچھ بھی نفع پہنچانے پر قادر نہ ہو سکے گی اور اگر افراد مخلوق تجھے نقصان دینا چاہیں، مگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو تجھے کچھ بھی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ تجھ سے جہاں تک ہو سکے اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ سے صدق اور یقین کا معاملہ رکھ اور اگر (کوئی تکلیف پہنچے) ہو سکے تو صبر کر، کیونکہ بہت سی ایسی باتیں جن کو تُو ناپسند کرتا ہے، مگر اُن میں صبر کرنے سے تجھے کثیر نفع پہنچے گا اور یقین کے ساتھ جان لے کہ صبر کرنے سے مدد حاصل ہوتی ہے اور دُکھ سہنے سے خوشی اور سُکھ حاصل ہوتا ہے۔

اِس حدیث شریف میں کس صراحت سے مسئلۂ اِستمداد کو حل کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں

حضرت پیرانِ پیرؒ اس سے متّصل المقالة الثالثة والاربعون فی ذمّ السؤال من

غیر اللّٰه تعالیٰ میں فرماتے ہیں: ماسأل النّاس من سأل الّا لجهلهٖ باللّٰه عزّ و جلّ و ضعف ایمانه و معرفتهٖ ویقینهٖ وقلّة صبرهٖ وماتعفّف من تعفّف عن ذٰلك اِلّا لوفورِ علمه باللّٰه عزّوجلّ وقوّة ایمانهٖ ویقینهٖ وتزاید معرفتهٖ بربّه عزّ و جلّ فی کلّ یومٍ و لحظة وحیائهٖ منه عزّ و جلّ۔

ترجمہ: جس شخص نے بھی انسانوں سے اپنی کوئی حاجت چاہی اُس نے محض اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے جہالت، ایمان کی کمزوری، معرفت ویقین کی پژمردگی اور صبر کی کمی کی بنا پر ایسا کیا اور جس نے انسانوں (مخلوق) سے حاجت خواہی میں بے نیازی و بے رغبتی برتی اُس نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے علمِ حق الیقین، ایمان و یقین کی پختگی، زیادتِ معرفت اور ربّ تعالیٰ سے ہر لمحہ ولحظہ حیاء و شرم کی وجہ سے ایسا کیا۔

سنّتِ انبیاء واولیاء

اِن مثالوں سے ثابت ہُوا کہ انبیاء واولیاء اپنے آپ کو اللہ کا نہ صرف محتاج سمجھتے تھے بلکہ اپنی اپنی حاجات بھی اُسی کی بارگاہ میں پیش کیا کرتے تھے۔ گویا ایسا کرنا سنّتِ انبیاء واولیاء ہے۔ اب جو لوگ اِن کی اِس واضح سنّت پر عمل نہیں کرتے اور مختلف توجیہات پیش کر کے اپنے ذہنی مفروضات اور اختراعی عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ صریح غلطی پر ہیں۔ محوّلہ بالا مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب میری رباعی کے تیسرے مصرعہ کو پڑھیے......ع

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے

توحیدِ خالص

یعنی جن سے تُو مانگ رہا ہے وہ تو خود اللہ سے مانگتے ہیں، جیسا کہ حدیثِ محوّلہ حضرت پیرانِ پیرؒ کی رباعی اور آپؒ کے مواعظ و خطبات کے اقتباسات سے ثابت ہُوا۔ اب مانگنے والے پر ضروری ہے کہ وہ اپنی محبوب و مکرّم شخصیّات انبیاء واولیاء کی سنّت پر عمل پیرا ہوتے

ہوئے اُس ذات سے مانگے، جس سے خود انبیاء و اولیاء مانگتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو وہ محبّت کے دعوٰی میں جھوٹا ہو گا۔ علاوہ ازیں مخلوق میں سے کسی کو بھی اللہ سے مانگنے والوں سے مستثنٰی قرار دینا خود ایک کُفر ہے، کیونکہ اِس سے تمام نصوصِ قطعیّہ کا انکار ہوتا ہے۔ بحوالہ ترمذی ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اُس پر غضب ناک ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص ذوق و شوق کے عالم میں وجدانِ توحید کی کیفیّت سے سرشار ہو کر یہ کہے کہ مَیں صرف اللہ ہی سے مانگوں گا، یہ ایک فعلِ مستحسن ہے، کوئی معیوب فعل نہیں، کیونکہ یہ سُنّتِ انبیاء و اولیاء ہے اور قرآن و حدیث ایسا کہنے اور کرنے کی تلقین سے بھرے پڑے ہیں۔ ہم لوگ تو روایتی کلمہ گو ہیں۔ مگر صوفیائے کرام جب کلمۂ توحید کا ورد اور بحرِ توحید میں غوطہ زنی کرتے ہیں تو لا الٰہ کے لا کو لائے نفیِ جنس بنا کر تمام ماسوی اللہ کی نفی کرتے ہیں حتّٰی کہ وجودِ ماسوی اللہ کی بھی نفی کر دیتے ہیں۔ اِس معاملے کو مزید سمجھنے کے لئے مشہور صوفی حضرت بُلّھے شاہ قصوریؒ کے وہ پنجابی اشعار پڑھنے اور غور کرنے کے قابل ہیں جن کے دو تین مصرعے یہ ہیں......ع

لا الٰہ دی رمز نیاری الّا اللّٰہ وی کہیں او یار
اِکّو ہے تے اِک کہاوے اِک دا ہو کے رہیں او یار
دُوئی دُور وجوددں کر کے کلّا ہو کے بہنیں او یار

وغیرہ...... ایسے اشعار کہتے ہوئے کیا بُلّھے شاہ علیہ الرّحمہ کو انبیاء و اولیاء کا خیال نہیں رہا؟ کیا اُنہوں نے اُن کی شان میں یہ اشعار کہہ کر گستاخی کر دی؟ ایسی کوئی بات نہیں، اِس کا جواب یہی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اِن اشعار میں وہ عقیدۂ توحید بیان کیا جو انبیاء کی تعلیم پر چلتے ہوئے اولیائے کرام نے ساری مخلوق کو بتایا تھا۔ مولینا جلال الدین عارفِ رُومیؒ نے بھی لا الٰہ میں لا کو لائے نفیِ جنس کا قرار دیتے ہوئے ایک ایسی تلوار سے تشبیہ دی جو ہر ماسوی اللہ کی گردن پر چل کر اُسے فنا کے گھاٹ اُتار دیتی ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں

تیغِ لا در قتلِ غیرِ حق براند
در نگر زاں پس کہ بعدِ لا چہ ماند
ماند اِلا اللّٰہ باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرکت سوز زفت

ترجمہ: لا کی تلوار اللہ کے سواسب کے قتل کرنے میں چلا پھر دیکھ کہ لا کے بعد اور کیا باقی رہا۔ فقط اِلا اللّٰہ باقی رہا اور باقی سب کچھ فنا ہو گیا۔ خوش رہ اے وہ حضرتِ عشق جو غیر کو جلا کے رکھ دیتا ہے، فقط معشوق ہی باقی رہتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ۔

غیرِ حق را جملگی برباد کُن
کلّ شیٍٔ ھالکٌ را یاد کُن
بعدِ نفیِ خَلق کُن اثباتِ حق
تاکہ گردی غرق بحرِ ذاتِ حق

ترجمہ: اللہ کے سوا ہر چیز کو فنا سمجھ اور کلّ شیٍٔ ھالکٌ کے فرمان کو یاد رکھ۔ پُوری مخلوق کی نفی کرنے کے بعد تجھ پر حق ثابت ہو جائے گا تاکہ تو ذاتِ حق کی وحدت کے سمندر میں غوطہ زن ہو سکے۔

بارگاہِ رُبُوبیّت میں حاضری اور مرتبۂ علم الیقین سے گُزر کر عین الیقین اور حقّ الیقین تک پہنچنے کے لئے عارفِ رُومیؒ کے اشعار ہم نے ذوقِ توحید رکھنے والوں کے لئے پیش کئے۔ ذیل میں ہم حضرت پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ایک اہم مُوجز اور دلپذیر تصنیفِ منیف میں سے دو اقتباس نقل کرتے ہیں۔ یہ تصنیف عموماً رسالۂ غوثُ الاعظم کے نام سے معروف ہے اور اِسے حضرت غوثِ پاکؒ کی تالیفات میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ دیکھنے کو یہ مختصر سا کتابچہ ہے لیکن اپنے اندر ایک جہانِ معنی لئے ہوئے ہے جس حقیقت

کے اظہار و بیان کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہوں، اُس کو ایک نکتے میں بیان کر دینا اولیائے کرام ہی کا حصّہ ہے۔ رسالۂ مذکورہ چھوٹے چھوٹے جملوں کی صورت میں مقالات پر مشتمل ہے، جن کی تعداد 65 ہے یہ دراصل وہ الہامات ہیں جو وقتاً فوقتاً حضرت غوث الاعظمؒ کے قلبِ اطہر پر وارد ہوتے تھے۔ رسالے کا اندازِ بیان مخاطبت کا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خطاب ہوتا ہے حضرتؒ اُس کو قال اللّٰہ تعالیٰ، قال سبحانہٗ تعالیٰ یا قالَ لی (یعنی مجھ سے فرمایا کہ ......) کہہ کر بیان کر دیتے ہیں۔ اکثر و بیشتر خطاب اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے ہے، لیکن کہیں کہیں ایسا بھی ہے کہ غوث الاعظمؒ سوال کرتے ہیں اور باری تعالیٰ کی جانب سے جواب عنایت ہوتا ہے، اِس سے یک گونہ مکالماتی لُطف پیدا ہو گیا ہے۔

اگرچہ رسالہ کا اُسلوب غوثِ پاکؒ کی دیگر تصانیف سے بالکل الگ اور منفرد ہے، لیکن اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اِس اُسلوب کو سوچ بچار کے بعد، موزوں پیرایۂ اظہار کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ عام مصنّفین کا قاعدہ ہے۔ حضرتؒ کے بارے ایسا خیال کرنا بھی خلافِ ادب ہے۔ گویا یہ رسالہ حضرت غوثِ پاکؒ کے خاص مشاہدات اور کیفیّات کا عکّاس ہے۔ اِس کے مقالہ نمبر 44 میں آپ فرماتے ہیں کہ:

قال: یاغوث الاعظم! قل لاصحابك من أرادمنکم ان یصل الیّ علیه الخروجُ من کُل شئ ترجمہ۔ فرمایا: اے غوثِ اعظم! اپنے دوستوں سے کہہ دو کہ تم میں سے جو کوئی مجھ سے مِل جانا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ میرے سوا ہر چیز سے نکل جائے۔

تبصرہ: دیکھیے غوثِ پاکؒ کو فرمایا جارہا ہے کہ ماسوی اللہ سے مکمّل انخلاء و انقطاع کے بعد ہی وصلِ باری تعالیٰ نصیب ہو سکتا ہے۔ وہ ماسوی اللہ کوئی بھی ہو، بلکہ اِس رسالہ کی شرح جو سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت سیّد خواجہ محمد حسینی گیسو درازؒ نے کی ہے، جس کا نام جواہر العُشاق ہے اُس میں حضرت خواجہ گیسو درازؒ عنوان قائم کر کے جو تشریح کرتے ہیں ہم اُس کو یہاں کالاہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

غیرُ اللّٰہ سے نکل کر اللہ کا وصال

اے غوث! کہہ دو اپنے دوستوں سے، یعنی تمہارے دل، تمہاری روح، تمہارے بھید سے کہہ دو کہ اگر مجھ سے واصل ہو جانا چاہو تو تمہیں چاہیئے کہ جو تمہارے اعضاء میرے غیر ہیں اور صورت کے مغائر (کچھ اور) ہیں تو اُن سے باہر نکل آؤ، کیونکہ یہ مقیّد ہیں اور میں مُطلق ہوں۔ شکل و صورت کی بندش میں ایک ظاہر نہیں ہوتا اِس لئے مجرّد عشق کے مقام پر لانے کے لئے فرماتا ہے کہ اپنے آپ سے اور اپنے اخلاق سے باہر آ جاؤ تاکہ مجھ تک پہنچ سکو۔ بقول دَعْ نفسك فتعالِ الی (اپنے نفس کو چھوڑ اور میرے پاس آ جا) یعنی جسم کے پنجرے سے باہر آ تاکہ تُو مجھ تک پہنچ جائے۔ شاید غوثؓ کو فنا کے مقام سے بقا کے مقام میں لانا چاہتا ہے اِس لئے یہ نصیحت کرتا ہے۔ صوفیاء کے اِسی مقام کی مناسبت سے ہم یہاں ضمناً مرزا عبدالقادر بیدلؔ کے چند اشعار نقل کرنا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو و سمن در آ
تُو ز غنچہ کم ندمیدہ ای، درِ دل کُشا بہ چمن در آ
پئے نافہ ہائے رمیدہ بُو مپسند زحمتِ جستجو
بخیالِ حلقۂ زلفِ اُو گرہے خور و بہ خُتن در آ
ز سروشِ محفلِ کبریا ہمہ وقت می رسد ایں ندا
کہ بخلوتِ ادبِ وفا ز درِ بروں نشدن در آ

اِسی طرح ایک اور جگہ شوقِ وصل کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ہمہ راست زیں چمن آرزو کہ بہ کامِ دل ثمرے رسد
من و پرفشانیِ حسرتے کہ ز نامہ گُل بہ سرے رسد
چہ قدر بمنّتِ قاصداں بگدازدم دلِ ناتواں
ببرِ تو نامہ بریِ خودم اگرم چو رنگ پرے رسد

ز معاملاتِ جہانِ کد تُو بر آ کزیں ہمہ دام ودد
عففے سگے بہ سگے خورد، لکدے خرے بخرے رسد
بہ ہزار کُوچہ دویدہ ام بہ تسلّئے نرسیدہ ام
ز قدِ خمیدہ شنیدہ ام کہ چو حلقہ شد بہ درے رسد
ہمہ جاست ذوقِ طرب کمیں ز وداعِ غنچۂ گُل آفریں
تُو اگر زخود روی ایں چنیں بتواز تُو خوب ترے رسد

حضرت خواجہ گیسودرازؒ تو یہاں تک لکھ گئے کہ اپنے اعضائے بدنیّہ کو بھی غیر سمجھتے ہوئے اُن کے خیال سے باہر آجاؤ، حالانکہ یہ اعضاءِ ذاتِ انسان کا ایک حصّہ ہیں اور اِس سے آدمی جو کام کرتا ہے بہ الفاظِ دیگر اِن کے تعاون سے مختلف اُمور سرانجام دیتا ہے، یعنی یہ خود اسباب ہیں اِن سے حاصل کردہ اعانت اور استعانت ماتحت الاسباب اور اُمورِ عادیہ ہی سے ہوتی ہے۔ سالک جب تک اِن اعضاء سے بھی استعانت نہیں چھوڑتا، واصل باللہ نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ وہ کسی اور غیر اللہ یا ماسوی اللہ سے استعانت کرے اور پھر دُور سے، مافوق الاسباب یا اُمورِ غیر عادیہ میں کرے......ع

بہ بیں تفاوت رہ از کُجاست تا بہ کُجا

جب تک ہر قسمی استعانت اُسی معین و مُستعانِ حقیقی سے نہ کی جائے، تب تک نہ وصالِ ذات ہوسکتا ہے، نہ ذوقِ توحید پیدا ہوسکتا ہے کیوں کہ۔

جب ہر ہے ہم ناہیں جب ہم ہیں ہر ناں　　　پریم گلی تنگ اتنی جو دو سماویں ناں

سالک پر دورانِ سلوک ایک ایسا مقام آتا ہے جہاں ایک وہ ہوتا ہے اور ایک اُس کا محبوب و مطلوبِ حقیقی، وہاں غیر کا وہم و گمان ہوتا ہے اور نہ کسی ماسوی اللہ کا گُزر۔ بقولِ مستان شاہ کابلیؒ۔

نہ مولیٰ گُفتن و آنجا نہ فرعون　　چہ جائے کُفر ایماں ہم نہ گنجد

ایسے ہی مقام کے حامل حضرت غوثِ پاکؒ بھی ہیں اِس لئے اُن کے مواعظ، خطبات اور کلام میں جابجا توحید کے موتی چمکتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آپؒ رسالۂ غوث پاکؒ میں ایک اور مقالۂ الہامیہ یوں درج فرماتے ہیں۔

قال: یاغوث الاعظم اِنّ لی عبادا سوی الانبیاء والمُرسلین لَایطّلع علیٰ احوالھم أحدمن أھلِ الدّنیا ولَا أحدٌ من اھلِ الآخرۃ ولَاأحدٌ من أھلِ الجنّۃِ ولا أحدٌ من أھلِ النّار وَلَا ملكٌ مقربٌ ولانبیٌّ مُرسلٌ وَلَا رضوانٌ وَماخلقتُھُم للجنّۃ ولَا للنّارِ ولا للثواب ولَا للعقاب وَلَا للحُور وَلَا للقصور فطوبیٰ لمن اٰمن بھم وَان لّم یعرِفھم یا غوث الاعظم أنت منھم وھُم اصحاب البقاء المحترقون بنورِ اللّقاء ومن علاماتھم فی الدّنیا اجسامھم محترقۃ من قلّۃ الطّعام والشراب و نفوسھم محترقۃ عن اللّحظاتِ وھُم اصحاب البقاء المحترقون بنورِ البقاء۔

ترجمہ۔ فرمایا: اے غوثِ اعظم! انبیاء و مُرسلین (علیہم الصّلوٰۃ والسّلام) کے علاوہ میرے (بعض) بندے ایسے ہیں کہ اِن کے احوال سے کوئی واقف نہیں، خواہ کوئی اہلِ دُنیا ہو یا اہلِ آخرت۔ اہلِ جنّت ہو یا اہلِ دوزخ۔ مقرّب فرشتہ ہو یا نبی مُرسل یا رضوان، وہ ایسے بندے ہیں جن کو نہ تو جنّت دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا نہ ثواب و عذاب کی خاطر اور نہ حور و قصور کی خاطر پیدا کیا گیا، پس خوشی ہے اُن کے لئے جو ایمان لائیں اُن پر اگرچہ وہ اُنہیں پہچانتے نہیں۔ اے غوثِ اعظمؒ تم اُن ہی میں سے ہو اور وہ اصحابِ بقا ہیں، جو نُورِ بقا سے جل رہے ہیں۔ دُنیا میں اُن کی علامت یہ ہے کہ اُن کے جسم کم کھانے، کم پینے کی وجہ سے جلتے ہیں۔ اُن کے نفس شہوانیات (کے پرہیز) سے جلتے ہیں وہ اصحابِ بقا ہیں جو بقاء کے نُور سے جلتے ہیں۔

تبصرہ: اِس مقالۂ مبارکہ میں قابلِ غور امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے جو نہ تو نبی ہیں نہ رسول ہیں لیکن اُن کا ایک گونہ رابطہ و تعلّق اپنے مالک و خالق اللہ جلّ شانہ سے

ایسا ہے کہ جہاں نہ انبیاء و مُرسلین کا دخل ہے نہ اُن کے احوال سے فرشتے باخبر ہیں، یقیناً وہ عاشقِ ذات ہیں اور اپنے معشوقِ حقیقی کے ساتھ اُن کا تعلّق اور رابطہ کچھ اِس نوعیت کا ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

اگر کہا جائے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی نہ کسی نبیؑ اور رسولؐ کے اُمتی تو ضرور ہیں، لیکن فضلِ خُدا اور حُسنِ اعتقاد و حُسنِ عمل کے ذریعے یہ وہاں پہنچے ہیں، جہاں اُن پر ہر لمحہ اپنے مالک کے فضل و کرم کا سحابِ رحمت برس رہا ہے، وہ استعانت بھی اُسی سے کرتے ہیں اور اُن کی ہمہ قسمی اعانت بھی اُسی کی بارگاہ سے ہوتی ہے۔ نہ تو وہ کسی اور کی طرف توجّہ کرتے ہیں اور نہ اُن کی ہمّت کو وہ غیرت مند معشوق اور محبوب کسی اور طرف منتقل اور منعطف ہونے دیتا ہے لیکن یہ مقام قیامت تک بندگانِ خدا کو ملتا رہے گا، نبوّت کا دروازہ تو بند ہو گیا مگر یہ دروازہ بند نہیں کیا گیا۔ اگر یہ ذوقِ عالی آج بھی کسی کو عطا ہو جائے اور وہ ہمہ قسمی تعلّقات و روابط سے بے نیاز ہو کر اُسی ذات کے ساتھ تعلّق رکھّے، اُسی کے سامنے گڑگڑائے، اُسی سے استعانت کرے اور غیر کی طرف آنکھ بھی اُٹھا کر نہ دیکھے اور جو تعلّق کے اِس مقامِ عالی پر فائز ہو۔

غُبارِ خاطرِ عُشّاق مدّعا طلبی ست

بخلوتیکہ منم یادِ دوست بے ادبی ست

تو اُس پر ہمارے معترض کیا فتویٰ لگائیں گے اور اُسے ایمان کے کس درجے میں رکھّیں گے؟

غوثِ اعظم کے حقیقی معنیٰ اور مفہوم

حضرت پیرانِ پیرؒ کے مشہورِ زمانہ القاب میں سے ایک لقب غوثِ اعظم بھی ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں بہت بڑا مدد کرنے والا، یہ لقب آپؒ کے لئے بہ طورِ عَلَم بھی استعمال ہوتا ہے ہم بھی اپنی تحریروں اور اشعار میں اِسے استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے معترض فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے سوا کسی سے استعانت کرنا شرک ہے اور اعانت کرنا اللہ ہی کا کام ہے تو پھر پیرانِ پیر کو غوثِ اعظم کیوں کہتے ہو؟

جواباً گزارش ہے کہ اگر غوثِ اعظم کا جو مفہوم لُغوی ہے اُس کا خیال رکھا جائے تو متعدّد خرابیاں لازم آتی ہیں۔

1- رسالۂ غوثِ اعظم میں جب اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو یاغوثُ الاعظم فرمایا ہے تو کیا آپؒ اللہ کے لئے بھی غوثِ اعظم ہیں؟ آپؒ اللہ کی بھی بہت مدد فرمانے والے ہیں؟ کیا اللہ بھی آپ کی مدد کا محتاج ہے؟ اور کیا اللہ بھی بوقتِ مشکل آپؒ کو یاغوثُ الاعظم کہہ کر پُکارتا ہے اور آپ سے دستگیری کا طلبگار ہوتا ہے؟ یہ سب باتیں صریح کُفر و شرک ہیں۔ بلکہ اللہ کی طرف سے یاغوثُ الاعظم کہنے کی تاویل یہ کرنا پڑے گی کہ اللہ فرماتا ہے اے میرے وہ بندے! جو انبیاء و مُرسلین اور صحابۂ کرام کے بعد اپنی کوشش و کاوش، جدو جہد، تبلیغ اور تعلیم کے ذریعے میرے دینِ متین کی بہت مدد کرنے والا ہے یا اپنی تبلیغ و تعلیم اور مواعظ و خطبات کے ذریعے میرے بندوں کو مُشرکانہ عقائد سے بچا کر صراطِ مستقیم اور عقائدِ صحیحہ پر قائم رکھنے میں تُو نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے اور ہر قسمی شرک کی نفی کر کے میرے بندوں کے قلوب و اذہان سے شرکیہ جراثیم کے نکلنے کا ذریعہ بنا ہے تو یوں اِس معاملے میں بعد از انبیاء و مُرسلین اور صحابۂ کرام تُو میرے بندوں کے لئے بہت مدد کرنے والا یعنی غوثِ اعظم ہے۔ یہ تاویل کرنا ضروری ہے ورنہ معاملہ مزید اُلجھ جائے گا۔

2- حقیقی معنٰی کے لحاظ سے غوثِ اعظم اللہ کی ذات ہے کسی اور کو یہ لقب دینا شرک ہے بلکہ حقیقی غوث بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اِسی طرح حقیقی معنٰی کے لحاظ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو امامِ اعظم کہنا اور مسٹر محمد علی جناح کو قائدِ اعظم کہنا بھی صریح کُفر ہے۔

کیونکہ امام کے معنٰی ہیں پیشوا، ہادی اور راہ دکھانے والا۔ ظاہر ہے امامِ اعظم کے لقب کی حقدار وہی شخصیت ہے، جسے مخلوق میں امامُ الانبیاء والمُرسلین کہا جاتا ہے اور قرآنِ مجید میں رسولوں کو امام کہا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اللہ نے فرمایا: قَالَ اِنِّی جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ یوں امام بھی نبی یا رسول ہوا تو پھر کیا امام ابو حنیفہؒ نبیوں اور رسولوں سے بھی

بڑے امام ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اِس کے معنٰی یوں کریں گے کہ فقہ کے اُئمّہ اور مجتہدین حضرات جو دَورِ تابعین یا تبع تابعین میں گزرے ہیں، آپؒ اُن سب میں ملکۂ اجتہاد اور قوّتِ استنباط کے لحاظ سے بڑے ہیں اِس لئے امامِ اعظم کا لقب آپؒ کو عطا ہُوا۔

نوٹ: اِس مختصر مقالے میں گنجائش نہیں ورنہ ہم امامت پر پوری بحث کرتے، امام کے معنٰی اور امامت کی اقسام پر سیر حاصل تبصرہ کرتے اور اثنا عشری حضرات کے نزدیک جو تصوّرِ امامت ہے اور وہ امام کو جن معانی میں استعمال کر کے امامت کو مأمور من اللہ منصب قرار دیتے ہیں اُس کی شرعی حیثیّت واضح کرنے کے بعد اُن کی بعض غلط فہمیوں کو رفع بھی کرتے، نیز حدیث اثنا عشر امیرًا یا امامًا (بزعمِ شیعہ) کی حقیقی تشریح کرتے، بہر حال اللہ نے توفیقِ ارزانی فرمائی تو اِس موضوع پر الگ ایک مقالہ لکھ کر ہدیۂ قارئین کریں گے۔

قائد کے معنٰی ہیں رہبر، لیڈر اور قیادت کرنے والا۔ اِس طرح قائدِ اعظم کے معنٰی بنیں گے سب سے بڑا قائد۔ کیا سب سے بڑا قائد محمد علی جناح ہے یا وہ ہے جو قائد الغرّ المحجّلین، قائد الاوّلین والآخرین ہے اور جس نے اپنے لئے أنا قائدِ هُم الی الجنّه فرمایا ہے۔ اُس قائدِ انبیاء و مُرسلین کی نعلینِ پاک کی خاکِ مقدّس پر لاکھوں جناح قربان کئے جا سکتے ہیں۔ قائدِ اعظم وہ آمنہ کا لال عبداللہ کا دُرِّ یتیم حضرت محمد کریم علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم ہے۔ ہاں البتّہ لفظِ قائدِ اعظم کی تاویل کر کے یہ معنٰی کر سکتے ہیں کہ برِّ صغیر میں جب تحریکِ پاکستان یا تحریکِ آزادی چلی تو تمام مسلمانانِ ہند نے جس شخص کو اُس کی تعلیم، بیدار مغزی، بے خوف قیادت اور بُلند حوصلگی کی وجہ سے اپنا لیڈر تسلیم کیا اور جس کی مخلصانہ مساعی اور سعیِ پیہم سے یہ مملکتِ خداداد پاکستان وجود میں آئی اُس شخصیّت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لوگ اُسے قائدِ اعظم کہتے ہیں۔

3- غوثِ اعظم میں غوثیّتِ عظمٰی حقیقی نہیں، بلکہ اضافی ہے جیسا کہ مناطقہ کے نزدیک حصرِ حقیقی اور حصرِ اضافی یا جزئی حقیقی اور جزئی اضافی ہوتی ہے۔ اگر غوثیتِ حقیقی والے معنٰی لیں

گے تو یہ شرک ہو گا البتہ اضافی لیں گے تو شرک نہ ہو گا، کیونکہ حقیقی، مافوق الاسباب، اُمورِ عادیہ و غیر عادیہ میں غیر متناہی اور لامحدود غوثیّت فرمانے والا صرف اللہ ہے اُس کے بعد اسباب کے تحت اور اذنِ خداوندی سے انبیاء و اولیاء بھی ہیں، جو بندوں کے کام آتے ہیں۔ اولیائے کرام میں ایسی مدد کرنے والوں میں پیرانِ پیرؒ کا خاص مقام ہے۔ یہ ہیں غوثِ اعظم کے اصلی معنٰی۔

بلکہ حضرت پیرانِ پیرؒ خود ساری زندگی اللہ جلّ شانہٗ کو غوث کہہ کر پُکارتے رہے۔ کیونکہ وہ مرتبۂ توحید کو جانتے ہوئے اُس کیفیّت سے سرشار تھے کہ جہاں اُس ذاتِ بے ہمتا کی کوئی بھی صفت کسی مخلوق کے حوالے نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ وظائفِ چشتیہ میں ایک مقام پر تو آپ اللہ تعالٰی کو یاغیاثَ المستغیثین اغثنا کہہ کر فریاد کرتے ہیں۔ (دیکھئے مجموعۂ وظائفِ چشتیہ، ص35، مطبوعہ گولڑہ شریف) اور کہیں یوں اللہ کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں۔ ربَّاهٗ ربَّاهٗ غوثَاهٗ۔ (مجموعہ وظائفِ چشتیہ ص24، مطبوعہ گولڑہ شریف سنِ طباعت 1996ء)

مقامِ غور ہے کہ جو شخصیّت پُوری زندگی اللہ کو یا غوث کہہ کر پُکارتی رہی آج ہم لفظِ غوث کو اُسی شخصیّت کے لئے مختص سمجھتے ہیں۔ از راہِ انصاف خود فیصلہ کیجئے کہ اگر ہم پیرانِ پیرؒ کو یا غوث کہہ کر پُکاریں گے تو وہ خوش ہوں گے یا اُس ذات کو یا غوث کہہ کر پُکارنے میں خوش ہوں گے، کہ جس کو خود پیرانِ پیرؒ پُوری زندگی یا غوث کہہ کر یاد کرتے رہے اور اُسی کی بارگاہ میں اپنی سب فریادیں پیش کرتے رہے۔

تدعُونَ کے لُغوی معنٰی

دعا یدعو فَعَلَ یَفعُل نصر ینصر کے وزن پر ہے۔ اِس کے معنٰی پُکارنا، بلانا، مدد طلب کرنا (اللہ سے دُعا کرنا) دعاه الٰی کسی چیز کی طرف بلانا۔ اگر اِس کا صلہ لهٗ واقع ہو مثلًا یوں کہا جائے کہ دعالهٗ تو اِس کے معنٰی ہوں گے اچھی دُعا کرنا اور اگر اِس کا صلہ علی آجائے مثلًا دعا علیه تو معنٰی ہوں گے اُس نے اُس کے لئے بددُعا کی اِس کے بعد حقیقتِ مسئلہ سمجھنے کے لئے توجّہ چاہتا ہوں۔

حقیقتِ مسئلہ

انّ الذین تدعون مِن دون اللّٰہ عبادٌ امثالکم......(الخ کیا اِس میں پُکارنے کے معنٰی مُراد ہیں، کہ جن کو تم اللہ کے سوا پُکارتے ہو۔ یا تدعون بمعنٰی تعبدون کہ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ یہاں ہر دو معنٰی درست ہیں، کیونکہ پُکارنا اگر علٰی وجه التّقرّب والثّواب ہو تو یہ بھی عبادت کے ضمن میں آتا ہے، لٰہذا یہ نیّت رکھ کر غیرُ اللہ کو پُکارنا یا غیرُ اللہ کو ندا کرنا شرک ہے، علٰی وجه التّقرّب پُکارنے میں اصنام اور انسان برابر ہیں۔ یعنی دونوں کو اِس نیّت سے ندا کرنا اور پُکارنا حرام ہے۔ آیتِ محوّلہ بالا کا مفہوم یہ نکلا کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو یا جن کو پُکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے عباد ہیں۔ معبود تو عابد سے اعلیٰ اور ارفع ہونا چاہیئے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام میں سے کسی نے کسی نبی یا رسول کو مدد کے لئے نہیں پُکارا، بلکہ سب نے صرف اللہ ہی کو پُکارا، جس کے ثبوت میں بے شُمار قرآنی آیات اور احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ انبیاء اِس حقیقت سے آگاہ تھے کہ فضّل بعضهم علٰی بعض کی وضاحت کے باوجود ہم میں سے کوئی افضل وارفع نبی یا رسول اِس لائق نہیں کہ اُسے مدد کے لئے پُکارا جائے۔ مَن انصاری الی اللّٰہ وغیرہ جیسی آیات کا مفہوم بھی وہ نہیں ہے، جو آج کل ہمارے ہاں مروّج ہے، بلکہ اِس تعاون کی دعوت سے مُراد بھی دُنیا میں مدد حاصل کرنا ہے، جس میں جہاد اور مادی اعانت جیسی نصرت شامل ہے اور یہ ناجائز نہیں، جیسا کہ ہم نے ابھی کہا کہ معبود کا عابد سے افضل وارفع ہونا ضروری ہے، چونکہ انبیاء و مُرسلین سے افضل و اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اِس لئے اُنہوں نے اپنے اپنے ادوارِ مقدّسہ میں بجائے کسی انسان سے غیبی، مافوق الاسباب اور غیر مرئی مدد مانگنے کے، اللہ ہی سے مدد مانگی اور اِسی کا درس دیا۔

عظمتِ خداوندی کا تقاضا

رباعی میں جس امر کو ملحوظ رکھّا گیا، وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وقار ہے۔ ایک حدیثِ قُدسی

میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تمہارے اوّل و آخر جن و انسان بمعیت ساری کائنات مجھ

سے سوال کرے اور میں اُن سب کو اُن کی مرضی کے مطابق عطا کر دوں تو اِس عطا سے میرے بخشش و کرم کے سمندر سے اتنی کمی بھی نہ ہو گی، جتنی کہ ایک سُوئی کو سمندر میں ڈال کر باہر نکالتے ہیں اور اِس پر نمی ہوتی ہے۔ یعنی اِس نمی کے برابر بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ لہٰذا عظمتِ خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اُسی سے مانگا جائے، کیونکہ وہی مولیٰ ہے اور تمام کائنات اُس کی غلام ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں اِس کا اعلان فرماتے ہوئے فرمایا: ان کل من فی السّمٰوٰت والارض الا آتی الرحمٰن عبدًا (سورۂ مریم) کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ رحمٰن کی مخلوق اور غلام ہے۔ یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ غلام اپنے آقا کے دروازے کو چھوڑ کر غیر مولیٰ کے دروازے پر جا کر سوالات کا سلسلہ شروع کر دے۔ ایک اور مقام پر فرمایا کہ یسئلهٗ من فی السّمٰوٰت والارض اگرچہ یہ صورتاً جملۂ خبریہ ہے، مگر حقیقتاً یہ امر اور جملۂ انشائیہ ہے کہ زمین و آسمان کی ساری مخلوق کو چاہیئے کہ وہ مجھ سے مانگے اور سوال کرے اور مجھ ہی سے اپنی حاجت بر آری کرائے، کیونکہ قاضی الحاجات صرف میری ذات ہے۔ البتّہ صالحین، متّقین اور اولیائے عظام کا دُعا میں توسّل جائز ہے، اِس لئے کہ صالحین کے توسّل سے دُعا قبول ہوتی ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ مشکوٰۃ شرح اشعّة اللّمعات، جلد 3، کتاب الجہاد، باب حکم الاسراء، ص 423 پر رقم طراز ہیں کہ:

داعی محتاج فقیر الی اللہ دُعا می کند حاجتِ خود را طلب می کند از جناب عزّت و غنائے اُو...... الخ۔ ترجمہ: اللہ کا محتاج فقیر اپنی حاجت بر آری کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے۔

قبورِ صالحین پر حاضری اور دُعا کے طریقے

حضرت شیخ محدّثؒ اولیائے عظام کی قبور پر حاضری دینے والوں اور دُعا کرنے والوں کے لئے دو طریقے تحریر فرماتے ہیں۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ دُعا مانگنے والا جو کہ اللہ کا محتاج ہے اور اپنی حاجت اللہ سے طلب کرتا ہے مگر دُعا میں صاحبِ قبر بزرگ کی روحانیت کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے اللہ سے

مانگتا ہے اور یہ الفاظ عرض کرتا ہے کہ "اے میرے خالق! اِس بندہ کی برکت سے اور اُس رحمت کے صدقے جو تُو نے اِس پر کی ہے اور اِسے عزّت دی ہے، میری فلاں حاجت کو پُورا فرما، کیونکہ حقیقی دینے اور مُرادیں عطا کرنے والا تُو ہے" یہ جائز ہے۔

دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ مانگنے والا صاحبِ قبر کو مخاطب کرتے ہوئے کہے کہ "اے اللہ کے مقبول بندے! میری فلاں مُراد اللہ تعالیٰ سے طلب کر (کہ بدہد مطلوب و مسئول) کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری مطلوب چیز عطا کردے"۔ چونکہ اِس طرح بھی سوال اللہ ہی سے کیا جارہا ہے، صاحبِ قبر کو بہ طورِ وسیلہ پیش کیا جارہا ہے، یہ بھی ممنوع نہیں۔ حضرت دھلویؒ نے جو دُوسرا طریقۂ دُعا تحریر کیا ہے وہ اِس لئے ناجائز نہیں کہ اللہ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ان اللّٰہ یُسمع من یشاء کہ اللہ اہلِ قبر میں سے جسے چاہتا ہے سُنوا دیتا ہے تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجت طلب کرنے والے کی آواز کو قبر والے تک پہنچادے اور پھر قبر والا عالمِ ارواح میں اللہ سے اُس سائل کے مقاصد کو پُورا کردینے کی اِلتجا کرے اور یہ ناجائز نہیں، کیونکہ کسی کی قبر پر کھڑا ہوکر سوال کرنے والا اگر براہِ راست اللہ سے مانگ رہا ہے اور صاحبِ قبر کو بہ طورِ وسیلہ پیش کر رہا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ اُس نے اللہ سے مانگا، قبر والے سے نہیں اور اگر قبر والے کو مخاطب کرکے یہ کہا کہ تُو میرا فلاں مقصد اللہ تعالیٰ سے مانگ۔ اِس صورت میں بھی مانگنے والے نے بالواسطہ اللہ ہی سے مانگا، نہ کہ صاحبِ قبر سے۔ یہ بھی جائز ہے کیونکہ اِن دونوں صورتوں میں سائل نے اللہ ہی سے مانگا ہے، صاحبِ قبر کو بہ طورِ وسیلہ پیش کیا ہے۔

سماعِ موتیٰ کا استدلال از قرآن

اِنّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَن یَّشاءُ کے متعلّق شارحین نے لکھا ہے کہ اِس آیت میں اُن کو سُنوانے کا ذکر ہُوا جو ظاہری سماعت کے باوجود سمعِ قبول سے محروم تھے اور ایسے لوگوں کو حق کی آواز کے قبول نہ کرنے میں قبروں میں مدفون مُردوں سے تشبیہ دی گئی۔ اِس سے اُن کے عدمِ قبول کی آخری سطح کو بیان کرنا مقصود ہے یہ درست ہے۔ مگر یہ آیت اپنے معنوی اطلاق

حاجت کو پُورا کر۔ تو چوں کہ اِس میں اُس قبر والے کو براہِ راست حاجت بر آر سمجھ کر یہ الفاظ ادا کیئے ہیں، لٰہذا ایسا کرنا یا کہنا جائز نہیں، کیوں کہ اِس میں بُت پرستوں کی مشابہت پائی جاتی ہے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اب وہ لوگ جو میری رباعی کے تیسرے مصرعہ پر اعتراض کرتے ہیں اور خود کو حضرت گولڑویؒ کا حلقہ بگوش اور مُرید کہتے ہیں، اِس محوّلہ عبارت کو سامنے رکھتے ہوئے میرے مصرعہ کو پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا مَیں نے قرآن و سُنّت اور اولیاء کے فرمودات کے مطابق کہا ہے یا نہیں۔ میرا مصرعہ یہ تھا.....ع

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے

ماسوَی اللہ کو مُعطیٔ حقیقی سمجھنا جائز نہیں

یعنی اگر تو انبیاء و اولیاء کو مستقل عطا کرنے والا سمجھ کر مانگ رہا ہے تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ مذکورہ تفصیل کے مطابق انبیاء و اولیاء سمیت ساری کائنات اپنی اپنی حاجات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حضور پیش کرتی ہے۔ لٰہذا سنّتِ انبیاء و اولیاء یہی ہے کہ اپنی حاجات صرف اللہ ہی سے مانگی جائیں۔ چونکہ بعض جہّال اِن نازک اُمور کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور مزارات پر حاضری کے وقت ایسے افعال کر بیٹھتے ہیں جو خود اولیاء کی تعلیمات کے خلاف ہوتے ہیں، نتیجتاً مخالفین براہِ راست اولیاء اللہ پر طعنہ زنی کرتے اور اُن کے خلاف زبان کھول دیتے ہیں۔ حالانکہ اولیاء اللہ کے عقائد اُن کی اپنی عبارات سے ہم نے پیش کر دیئے۔ لٰہذا مخالفین کو صوفیاء پر طعنہ زنی کے بجائے اُن کے ایسے معتقدین کو نشانۂ تنقید بنانا چاہیئے، جو صوفیاء کے اِن واضح ارشادات اور اعمال کو دیکھتے ہوئے بھی اُن کے خلاف عمل کرتے ہیں اور ذہن میں وہ عقائد پختہ کیئے ہوئے ہوتے ہیں، جن کا اولیاء اللہ کی تعلیمات سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ دراصل ہمارے بعض واعظین اور کم علم خطیب ایسے عقائد اور ایسی باتیں عوام میں بیان کر دیتے ہیں، جن کی وجہ سے کم فہم زائرین کے ذہن الجھاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اِس کی تمام تر ذمّہ داری واعظین اور خطیبوں پر عائد ہوتی ہے یا مدرسہ و خانقاہ کے متولی حضرات پر کہ وہ ایسی باتیں بیان

کرنے سے اُنہیں روکتے کیوں نہیں۔ حالانکہ ملفوظاتِ مہریہ ص 51 پر ہے کہ حضرت گولڑویؒ نے فرمایا کہ مجلس میں بے سند اور غیر معتمد کلام نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آج کسی ولی کے معتقد کے سامنے یہ کہہ دیا جائے کہ فلاں کام اللہ نے کر دیا تو وہ اتنے خوش نہیں ہوتے، مگر جب یہ کہا جائے کہ میرا فلاں کام فلاں ولی نے کر دیا تو اُن کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اِسی غلط نقطۂ نظر کو اللہ نے قرآنِ مجید میں یُوں بیان فرمایا:

واذا ذکراللّٰہ وحدہٗ اشمأزّت قلوب الذّین لایؤمنون بالآخرۃ واذا ذکرالذّین من دونہٖ اذاھم یستبشرون۔(پارہ 24، رکوع 2، سورۃ الزمر، آیت 45)

ترجمہ: مُشرکین کے سامنے جب اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے (کہ یہ کام اللہ نے کیا ہے) تو اُن کے دل پریشان اور منقبض ہو جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے غیر کا ذکر کیا جائے (کہ یہ کام اُس نے کیا ہے) تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

دُعا کے سلسلہ میں حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کا عقیدہ

اگر زائر شاہ عبدالحق دہلویؒ کی بیان کردہ دو صورتوں کے علاوہ تیسری صورت میں دُعا مانگتا ہے، یعنی اِن الفاظ میں کہ "اے صاحبِ قبر! تُو میری فلاں مُراد یا حاجت کو پُورا کر دے" تو یہ مُشرکین کے عمل سے مشابہت رکھنے کے سبب ناجائز ہے۔ جیسا کہ حضرت پیر مہر علی شاہ قدّس سرہٗ کی عبارت سے واضح کر دیا گیا۔ صاحبِ رُوح البیان کی تصریحات کے مطابق اُن کے دَور کے اکثر جاہل صوفی اور ناقص العلم علماء صُورتاً تو مُوحّد ہیں، مگر حقیقتاً نہیں۔ جب صاحبِ رُوح البیان کے دَور میں ایسے لوگ تھے تو کیا آج کل ایسے لوگ نہیں پائے جاتے، جن کے عقائد کی صورتِ حال یہ ہو جو اُوپر بیان کر دی گئی، لہٰذا اہلِ سُنّت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ زندہ آدمی سے دُعا کرانے کی صورت میں بھی مانگنا اللہ ہی سے متصوّر ہوگا، نہ کہ زندہ پیر یا شیخ سے۔ کیونکہ وہ بھی تو اللہ ہی سے مانگتا ہے، کوئی پیر یا غوث و قطب یہ نہیں کہہ سکتا کہ

اے مانگنے والے! یہ سب کچھ میں تجھے دے رہا ہوں بلکہ یہ کہتا ہے کہ تُو بھی اللہ سے مانگ

مَیں بھی مانگتا ہوں، وہ بے نیاز و غنی ہے، جس کی سُن لے۔ حضرت گولڑویؒ کا دُعا کے سلسلے میں یہی عقیدہ اور یہی تصریح ہے۔

حقیقی مفہومِ دُعا

ہم پھر مفہومِ دُعا کی طرف آتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے سابقًا بیان کیا کہ انبیاء و صلحاء سمیت ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ کا سائل کہنے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ یسئله من فی السمٰوٰت والارض میں مَن کا عموم جملہ موجودات کو شامل ہے، جس سے کوئی فرد متّصف بوصفِ الوجود خارج نہیں کہلا سکتا اور پھر تمام انبیاء کا معمول بھی یہی رہا۔ حتّٰی کہ خود سیّد الاوّلین والآخرین علیہ السّلام کا اپنا معمول اور تعلیم بھی یہی تھی۔ کم از کم میری نظر سے کوئی ایسی حدیث نہیں گزری، جس میں حضور علیہ السّلام نے فرمایا ہو کہ تم اللہ کے علاوہ مجھ سے بھی مانگ لیا کرو۔ بلکہ آپؐ نے اللہ کو مُعطی (دینے والا) اور خود کو قاسم (تقسیم کرنے والا) فرمایا۔ کیا معترض کے نزدیک انبیاء و اولیاء، اللہ سے نہیں مانگتے یا وہ نعوذ باللہ، اللہ سے مانگنے کو اپنے لئے عار سمجھتے ہیں۔ ہم نے بحوالۂ احادیث آپؐ کا معمول اوراقِ سابقہ میں بیان کر دیا کہ نہ صرف یہ کہ آپ خود ہمیشہ اللہ ہی سے مانگتے رہے، بلکہ عمر بھر اِس کی تلقین اور اِس کا حکم بھی فرماتے رہے۔ جب انبیاء و اولیاء کی طرف سے بھی یہی تعلیم دی گئی کہ ہم سب اللہ کے محتاج ہیں تو پھر "کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے" کہنے میں کون سی گستاخی سرزد ہو گئی۔

اعتراضِ دیگر کا جواب

اب معترض کے ایک اور سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں۔ سائل کے نزدیک عبادت اور چیز ہے اور مانگنا اور چیز۔ یعنی اِس کے نزدیک مانگنا عبادت نہیں۔ جب نہیں تو غیرُ اللہ سے مانگا جا سکتا ہے۔ اِس سلسلے میں یہاں دو احادیث پیش کی جاتی ہیں جن میں دُعا یعنی مانگنے کو عبادت کہا گیا۔ فرمایا الدّعاء مُخّ العبادہ مانگنا عبادت کا مغز ہے۔ اِس حدیث میں عبادت تو در کنار دُعا کو عبادت کا مغز اور اصل کہا گیا جس سے معلوم ہوا کہ دُعا عبادت کی

بھی اصل ہے اور پھر نماز میں بھی مانگا ہی جاتا ہے۔ ہر رکعت میں ایاك نعبد وایاك نستعین اور اھدنا الصراط المستقیم پڑھنے سے کیا مدد اور ہدایت مانگنا مُراد نہیں ہوتا؟ بلکہ نستعین سے قبل ایاك کا کلمہ مفیدِ حصر ہے (لانّ تقدیمَ ماحقّهُ التأخیر یُفید الحصرَ اَوِ الاختصاص) جس کے معنٰی ہوئے کہ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور کسی سے نہیں، بلکہ سورۂ فاتحہ کے دُعا ہونے کے سبب اِس آیتِ محوّلہ کا ترجمہ فاضلِ بریلویؒ دُعائیہ کرتے ہیں کہ "ہم تجھی کو پُوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں"۔ اِس روزانہ کے اقرار کے بعد بھی انکار۔ ایسی مسلمانی تو اکبر الٰہ آبادیؒ کے اِس شعر کا مصداق بنتی ہے۔

زباں پہ آیتِ ایّاکَ نستعین بھی رہی
بُتوں کے پاؤں پہ لیکن مری جبیں بھی رہی

دُوسری حدیث میں فرمایا الدعاءُ ھو العبادہ یعنی دُعا ہی عبادت ہے۔ حدیثِ سابق میں دُعا کو عبادت کا مغز اور خلاصہ فرمایا اور اِس حدیث میں دُعا کو سراپا عبادت فرمایا۔ جب حدیثِ ہٰذا کے مطابق دُعا عبادت ٹھہری تو غیرُ اللّٰہ کی عبادت کیسے جائز ہوسکتی ہے۔ گویا اِس حدیث کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے مانگنا اِس لئے ناجائز قرار پاتا ہے کہ دُعا کو عبادت کا درجہ دیا گیا اور ظاہر ہے جو چیز بمنزلۂ عبادت ہو وہ اللہ کے سوا کسی کے لئے روا نہیں ہوسکتی، کیونکہ مستحقِ عبادت صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ حدیثِ مؤخرّ الذّکر کو ابنِ حبّان نے اپنی صحیح میں اور ابنِ ماجہ، ترمذی اور ابوداؤد نے بھی روایت کیا۔ اب فرمایئے کہ اِن روایات اور اِس تفصیلی جائزے کی روشنی میں میری رباعی کا مصرعہ......ع کیوں مانگ رہاہے مانگنے والوں سے صحیح ٹھہرا کہ نہیں۔ معترض صاحب اگر اب بھی میری بات تسلیم نہیں کرتے تو پھر اُن پر لازم ہے کہ میری پیش کردہ حدیث اور دلائل کے مقابلے میں کوئی ایسی حدیث پیش کردیں جس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے انسان یا شخصیّت سے مانگ لینے اور اُسے بہ دقتِ مُشکل پکار لینے کی اجازت دی گئی ہو۔ آج تک میرے مطالعہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں آئی

بلکہ تمام مجموعہ ہائے احادیث میں ایسی ایک حدیث شریف بھی نہ پڑھی اور نہ کسی سے سُنی، جس کا مفہوم یہ ہو کہ قریب و بعید سے زندگی میں اور اِس کے بعد ہر حال میں ہر چیز فلاں بزرگ، فلاں نبی یا رسول سے مانگ لیا کرو، بلکہ اِسے خاصۂ خداوندی قرار دیا گیا۔

معترض کے دلائل کا اجمالی تجزیہ

جو احادیث عام طور پر پیش کی جاتی ہیں، اُن میں سے اکثر کا تعلق وسیلہ کے مفہوم سے ہے۔ جو مخصوص حالات میں مخصوص افراد کے لئے خاص ہیں۔ بلکہ ملفوظاتِ مہریہ میں 'یا' کو مدحیّہ قرار دے کر اِس خدشہ کا بھی تدارک کر دیا گیا کہ درود و سلام میں یا ندائیہ کے بجائے مدحیّہ بھی ہو سکتا ہے۔ قارئینِ گرامی قدر! یہاں بات قرآن و سُنّت کے حوالے سے ہو رہی ہے۔ لٰہذا یہاں رُومیؒ و جامیؒ یا کسی اور صوفی صاحب کا کوئی شعر سند میں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ نیز مانگنے سے مُراد بھی دُنیا کی مادی اشیاء نہیں، جن کے متعلّق ہم ایک دُوسرے سے سوالات کرتے رہتے ہیں اور جس کا ذکر واتّقوا اللّٰہ الذی تساء لُون به والارحام کے الفاظ سے ہُوا ہے۔ مانگنے سے میری مُراد ہر وہ حاجت ہے، جو اللہ کے بغیر کوئی انسان روا (پُوری) نہیں کر سکتا۔ اگر بذریعۂ وسیلہ بھی ہو تو پھر بھی مانگا اللہ ہی سے جاتا ہے، نہ کہ اُس سے جسے وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ گویا بذریعۂ وسیلہ بھی انسان اللہ ہی سے مانگتا ہے۔ روایات کے مطابق جس طرح اہلِ مدینہ نے حضرت عبّاسؓ کو بارش کے لئے وسیلہ بنا کر اللہ سے بارش مانگی تھی۔ اہلِ مدینہ اللہ کے بجائے اگر حضرت عبّاسؓ سے بارش برسانے کو کہتے تو بات اور ہو جاتی، مگر حضرت عبّاسؓ سمیت تمام اہلِ مدینہ کو معلوم تھا کہ بارش کے سلسلے میں أأنتم أنزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون کی نص آ چکی ہے، جس کا ترجمہ میری ایک رباعی کے دو مصرعوں میں یُوں ہے ۔

برساتے ہو کیا سحاب سے تم پانی ؟   یا ابر سے ہم ہیں مینہ دینے والے

ولوانھم اذظلموا انفسھم...... الخ میں بھی یہی صورت ہے۔ کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے لوگ جب آپ کے پاس حاضر ہوں اور آپ بھی اُن کے مغفرت کے لئے

اللہ سے سوال کریں اور وہ خود بھی براہِ راست اللہ سے التجا کریں تو اللہ کو توّاب و رحیم پائیں گے۔ اِس آیت میں یہ نہیں ہے کہ آپ براہِ راست اُن کی مغفرت فرمادیں۔ گویا یہاں بھی اللہ کے رسول کو اللہ سے اُن کی مغفرت مانگنے کے لئے فرمایا گیا اور پھر مغفرت چاہنے والوں کو بھی براہِ راست اللہ ہی سے مغفرت طلبی کے لئے کہا گیا۔ اِن منصوص قرائن کی روشنی میں بھی پُکارنا اور مانگنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے مخصوص ٹھہرایا گیا۔ اگر اللہ یہ فرمادیتا کہ جب ایسے لوگ آپ کے پاس آئیں اور آپ اُن کی مغفرت اپنی مرضی سے فرمادیں تو اللہ کو توّاب و رحیم پائیں گے تو پھر بات کچھ ہوتی، مگر ایسا نہیں ہُوا۔ بلکہ فرمایا آپ بھی مجھ سے اُن کی مغفرت کا سوال کریں اور وہ خود بھی سوال کریں، تو مجھے توّاب و رحیم پائیں گے۔ کسی نبی اور رسول نے یہ نہیں فرمایا کہ نعوذ باللہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا یا اُسے پُکارنا باعثِ ننگ و عار ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السّلام سے عُمرہ پر جانے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ اے میرے بھائی! مجھے اپنی دُعاؤں میں شریک کرنا اور بھُول نہ جانا۔ اِس سے بڑھ کر میرے موقف کے لئے اور کیا ثبوت ہوگا، لٰہذا ساری کائنات کو اللہ کے در کا سوالی سمجھنے اور کہنے میں کون سی گستاخی ہوگئی۔ عہدِ رسالت اور بعد کے دو صد سال میں کسی صحابی، تابعی، اہلِ بیت، محدّث، فقیہہ اور کسی صوفی نے اِسے گستاخی قرار نہیں دیا۔ بعد والوں میں سے اگر کوئی اِسے گستاخی قرار دے تو یہ اُس کی اپنی ذہنی اختراع ہوگی۔ کیا ایسے لوگ انّ اللّٰہ فقیر و نحن اغنیاء کا قول کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں اور کیا اُن کے ہم خیال ہیں؟ نعوذ باللّٰہ من ذالك۔

مُعطیٔ حقیقی

متذکّرہ بالا دلائل سے ثابت ہُوا کہ حقیقی مُعطی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سارا عالمِ انسانیّت بشمول انبیاء و اولیاء اُس کے محتاج اور سائل ہیں۔ جیسا کہ مَیں نے رنگِ نظام کے دیباچے میں ذکر کیا کہ مجازاً کسی کے لئے مشکل کشا، داتا، دستگیر اور غریب نواز کے

الفاظ کہہ دینا حرام نہیں، لیکن حقیقتاً اور مستقلاً کسی انسان کو اِن الفاظ کا مستحق سمجھ کر اُس کے لئے بولنا یقیناً شرک ہے اور شرک حرامِ قطعی ہے۔ اِن الفاظ کے استعمال کو مجازاً اِس لئے جائز کہا کہ ارواح مرتی نہیں۔ جو لوگ عالمِ برزخ میں چلے جاتے ہیں وہ اپنے پسماندگان اور مخلص متعلّقین کے حق میں دُعا کرنے سے غافل نہیں ہو جاتے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی مُشکلات حل کرانے اور اُن کی حاجاتِ جائزہ کی تکمیل کے لئے ملتجی رہتے ہیں۔ اِسی کو مجازاً دستگیری، مُشکل کُشائی اور غریب نوازی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اِس سلسلے میں ہم بحوالۂ شیخ عبدالحق دہلویؒ بحث کر چکے ہیں کہ قبورِ صالحین پر دُعا کرنے کے کیا طریقے جائز ہیں۔ چنانچہ دَورِ حاضر کے مشہور محقق سُنّی عالمِ دین مولانا غلام رسول سعیدی اپنی کتاب تبیان القران میں اِس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل گُفتگو کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اِس تعلیم اور تلقین کے پیشِ نظر مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور اُسی سے مدد چاہیں اور دُعا میں مستحسن طریقہ یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کے وسیلہ سے دُعا مانگیں، زیادہ محفوظ اور زیادہ سلامتی اِس میں ہے کہ وہ دُعائیں مانگی جائیں جو قرآنِ مجید اور احادیث میں مذکور ہیں، تاکہ دُعاؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسولؐ اللہ کی سُنّت سایہ فگن رہے اگر خاص حاجت میں دُعا مانگنی ہو تو رسولؐ اللہ کے وسیلہ سے دُعا مانگنی چاہیئے۔ (تبیان القرآن، جلد اوّل، تفسیر سورۂ فاتحہ)

ہمارے فاضل معاصر علّامہ محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری (میرے موقفِ مشہور نکاحِ سیّدہ کی تائید میں لکھی گئی کتاب سیف العطاء مؤلّفہ اُستاذ العلماء علّامہ عطا محمد بندیالویؒ پر جن کی تقریظ بھی موجود ہے) لکھتے ہیں:

البتّہ یہ ظاہر ہے کہ جب حقیقی حاجت روا، مُشکل کُشا اور کارساز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ اُسی سے مانگا جائے اور اُسی سے درخواست کی جائے اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اُس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے، کیونکہ حقیقت، حقیقت ہے اور مجاز، مجاز ہے ،

بارگاہِ انبیاء و اولیاء سے درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کریں کہ ہماری مُشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں بر لائے' اِس طرح کسی کو غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہو گی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہیں ہو گی۔

(ندائے یارسول اللہ ' ص12' مطبوعہ مرکزی مجلسِ رضا' لاہور 1405ھ)

محوّلہ بالا عبارت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بہ اندازِ سفارش کسی سے بھی مدد مانگنا مجازًا جائز ہے نہ کہ حقیقتًا۔ جب حقیقت موجود نہ ہو یا مہجور و متعذّر ہو جائے تب تو مجاز کی طرف رجوع کیا جائے لیکن اگر حقیقت ایسی ہو جو حقیقۃ الحقائق ہو ہمہ وقت اور ہر حال شانِ اقرب من حبل الورید کی مالک ہو' ہر شے کی ملکیّتِ مستقلّہ' دائمیّہ' حقیقیّہ اور ابدیّہ رکھتی ہو جس کی صفات میں فنا اور تعطّل نام کو بھی نہ ہو لاتأخذہٗ سِنۃٌ وّلانوم جس کی ہمہ گیر خبرداری کی خبر دے رہی ہو اُس کے ہوتے بھلا مجاز کی طرف رجوع کو کب کوئی سلیم العقلِ والفطرت تسلیم کر سکتا ہے؟ بقولِ شاعر۔

تُو جسے بُھول گیا یاد کرے کون اُس کو
تُو جسے یاد ہو' وہ اور کسے یاد کرے

خلاصہ یہ ہے کہ ندائے غیرُاللہ اعتقادِ مذکور کے ساتھ ہر چند کہ جائز ہے' لیکن افضل' اولیٰ اور احسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اُسی سے استمداد اور استعانت کی جائے جیسا کہ حدیثِ مذکور کا تقاضا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن' ج اوّل' ص217)

خلاصۂ کلام میں جس اعتقادِ مذکور کی بات کی گئی وہ نہ تو عوام کے ذہن میں ہوتا ہے اور نہ خطباء و واعظین اور مشائخ بتاتے ہیں' بلکہ عوام کی اکثریّت اپنی جہالت و خوش اعتقادی کے سبب بزرگانِ دین کو سب کچھ سمجھتے ہوئے اُن سے مدد مانگتے ہیں اور یُوں شرک کی دوزخ میں گر جاتے ہیں۔ لہٰذا احتیاط اِسی میں ہے کہ خطرناک مقام کی طرف جانے والا ہر راستہ بند کر دیا جائے کیونکہ جہاں شرک کا ادنیٰ وہم اور ہلکا سا شائبہ بھی ہو وہاں پرہیز لازم ہے۔

بہر حال بزرگانِ دین کے مزارات پر جا کر بہتر طریقہ اُن کے وسیلے سے مانگنے کا ہے۔ جہاں صاحبِ مزار سے کوئی رُوحانی فیض زائر کو مِلتا ہے، وہاں بعض اوقات صاحبِ مقام زائر سے صاحبِ قبر کی رُوح بھی رُوحانی فیض حاصل کرتی ہے، جیسا کہ فتاوٰی عزیزیہ میں ہے۔ ایک مرتبہ ہم پھر معترض کے جواب کی طرف آتے ہیں۔ اعتراض یہ تھا کہ رنگِ نظام کے ص456 اور ص447,446 پر جن آیات کے ضمن میں رباعیات لکّھی گئیں، وہ آیات دربارۂ اصنام و مُشرکین نازل ہوئیں، اُن کا اطلاق اہلِ اسلام پر کرنا درست نہیں، کیونکہ اِس میں پھر انبیاء و اولیاء بھی آتے ہیں اور یہ صریح گستاخی اور بقولِ حضرت گولڑویؒ تحریفِ قرآنی ہے۔ اب ذرا حوصلے اور غور سے اِس کا جواب ملاحظہ ہو......ع

اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

مَیں نے اپنی رباعی میں قبورِ صالحین یا انبیاء و اولیاء کو نہ صراحتًا اور نہ کنایتًا مخاطب کیا اور نام لے کر یہ نہیں کہا کہ اہلِ قبور یا صالحین سے مت مانگو، بلکہ عمومی انداز میں کہا کہ......ع

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے

معترض کو میرا یہ مصرعہ تیر کی طرح لگ گیا۔

کس بات پہ تم تڑپ اُٹھے ہو
کانٹا تو نہیں چبھو گئے ہم

اب ذرا اُن کی عبارت ملاحظہ ہو، جن کی غلامی کا دَم بھرا جاتا ہے۔ معترض پر لازم ہے کہ وہ حضرت گولڑویؒ کی اِس عبارت پر بھی کوئی توجیہہ یا تاویل پیش کیے بغیر اپنی رائے کا اظہار بے باکانہ انداز میں کرے۔ علمی دیانت کا تقاضا تو یہی ہے۔ اوراقِ سابقہ میں ہم اعلاء کلمۃ اللّٰہ کے حوالے سے حضرت گولڑویؒ کی فارسی عبارت سے ترجمہ نقل کر کے اِس پر تفصیلی تبصرہ کر آئے ہیں۔ یہاں پھر ضرورت کے مطابق ایک جملے پر تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔ عبارت یہ ہے......

آرے اگر کسے سجدہ و طواف بحِّیا فلاں ، ففل کند بعمل آرد البتہ مشابہت بہ عبدۃ الاوثان

کردہ باشد۔ یاد رہے کہ اِس عبارت کے ابتدائی حصّہ میں قبورِ صالحین کے الفاظ موجود ہیں۔ گویا آپؒ نے یہ سارا تبصرہ قبورِ صالحین جس میں تمام متبرّک ہستیاں آتی ہیں، پر فرمایا ہے۔ عبارتِ محوّلہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قبورِ صالحین کے سامنے سجدہ یا اُن کے گرد طواف کرتا ہے یا اہلِ قبر کو یہ الفاظ پُکار کر کہتا ہے کہ تُو میرا فلاں کام کر دے یا میری فلاں حاجت پُوری کر تو اُس کا یہ عمل البتہ یعنی بالضّرور (یقیناً) بُت پرستوں کے مشابہہ ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت صاحبؒ نے قبورِ صالحین کا ذکر فرما کر یہ جملہ تحریر کیا تو کیا اب معترض صاحب جو الفاظ یا جو نظریات میرے لئے رکھتے اور لکھتے ہیں، وہ حضرت پیر صاحبؒ کے لئے بھی لکھنے یا بولنے کی جسارت کریں گے؟ کیوں کہ بات جو مَیں نے کہی ہے، حضرت پیر صاحبؒ نے بھی وہی کہی ہے۔ پھر اِس کی کیا وجہ ہے کہ بقولِ سیّد اکبر الٰہ آبادیؒ ؎

وہ کرتے ہیں سب چُھپ کر تدبیر اِسے کہتے ہیں
ہم دھر لئے جاتے ہیں تقدیر اِسے کہتے ہیں

یہ تو انگور کھٹّے والی بات ہوئی نا۔ حضرت صاحبؒ نے اپنے اِس جملے میں کیا زائر کو بُت پرست اور صاحبِ قبر کو بُت سے تشبیہ نہیں دی؟ عبدۃُ الاوثان کے جملے میں دو لفظ ہیں ایک عبدۃُ جس کا واحد عابد اور معنٰی پجاریوں کے ہیں اور دُوسرا لفظ اوثان جس کا واحد وثن اور معنٰی بُتوں کے ہیں۔

اب جملہ کے الفاظ کے حساب سے عبدۃُ کا اطلاق زائر یا دُعا کُنندہ پر ہوگا اور اوثان کا اطلاق اربابِ قبور پر ہوگا، کیونکہ اگر ایک طرف زائر کے لئے پجاری کی مشابہت ثابت کی جارہی ہے تو دُوسری طرف اہلِ قبور کی اوثان سے بھی مشابہت ثابت کی جارہی ہے اور دونوں سے رد کا بھی جارہا ہے۔ اب معترض صاحب حضرت گولڑویؒ کے اِس عمل کو ادب کے کھاتے میں رکھیں گے یا بے ادبی کے زُمرے میں داخل کریں گے، کیونکہ قبور میں قبورِ انبیاء بھی شامل ہیں۔ اگر حضرت گولڑوی کی محوّلہ بالا تحریر میں اِس سارے تجزیے کے باوجود اشتباہِ بے ادبی

نہیں تو بعینہٖ اِس فقیر کی رباعی اور آیتِ کریمہ کے مفہوم بیان کرنے میں کسی قسم کی بے ادبی اور گستاخی کا عنصر شامل نہیں ہاں...... ؏ یُوں مدّعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے

کوئی کم علم معترض محض حسد اور کینہ کی بنا پر یہ اعتراض حضرت پیر صاحبؒ پر بھی کر سکتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت پیر صاحبؒ نے یہ جملہ لکھ کر نہ مسلمان زائرین کو پجاری کہا اور نہ اہلِ قبور کو اصنام قرار دیا، بلکہ اِس جملہ سے آپ کی مُراد صرف یہ تھی کہ اگر کوئی زائر اِن الفاظ میں کسی صاحبِ قبر کو پُکارے گا تو معترض کہہ سکتا ہے کہ یہ طریقۂ خطاب پجاریوں کا ہے اور چوں کہ قبر میں مدفون شخصیّت بظاہر میّت کے حکم میں ہے اور بے رُوح ہونے میں اِس کی بُتوں کے ساتھ مماثلت بھی پائی جاتی ہے، لٰہذا تمہارا اِس انداز سے اہلِ قبور کو مخاطب کرنا ایسا ہی ہے، جیسا ایک پجاری کسی بُت کے سامنے اپنی التجائیں پیش کرتا ہے، نہ بُت اُس کو جواب دے سکتے ہیں اور نہ اہلِ قبور۔ لٰہذا جس صورت میں زائر کی پجاریوں اور اہلِ قبور کی بُتوں سے مشابہت و مماثلت پیدا ہو جانے کا امکان ہو تو اِس صورت سے بھی ایک موحّد کو اجتناب کرنا ضروری ہے، کیونکہ ابہامِ شرک تو کُجا جہاں ایہامِ شرک ہو وہاں بھی احتیاط لازم ہے بقولِ اُستاد نوؔح ناروی ؎

عشق اُن کا باعثِ تفریحِ خاطر ہی سہی نام جو کچھ بھی ہو لیکن زہر آخر زہر ہے

کیونکہ اِس میں زائر کے علاوہ صاحبِ قبر کی بحیثیّتِ مسلمان توہین اور شرک کا اشتباہ ہوتا ہے، لٰہذا حضرتِ گولڑویؒ کے نزدیک کسی صاحبِ قبر سے براہِ راست مدد مانگنا کہ اے صاحبِ قبر! تُو میرا فلاں کام کر دے، پجاریوں کے مشابہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

جیسا کہ مذکور ہُوا مجازاً کسی کی طرف دستگیری و مُشکل کُشائی کی نسبت کر دینا مُوجبِ کُفر نہیں، جس طرح کہ آج کل فتوے لگا دیئے جاتے ہیں۔ تاہم بُلند درجہ اور مقام کے صوفیاء اِسے بھی شرک میں شُمار کرتے ہیں۔ اِن اُمور کی تفصیل کے لئے کشف المحجوب، غنیۃ الطالبین، فتوحاتِ مکیہ، رسالہ قشیریہ اور دیگر مستند کُتبِ تصوف کا مطالعہ ضروری ہے۔ اِس جوازِ مجازی

کے باوجود بہتر یہی ہے کہ سُنّتِ انبیاء واولیاء پر چلتے ہوئے خلقِ خدا کو صرف اپنے خالق ومالک ہی سے مانگنے کی ترغیب دی جائے، کیوں کہ پھر عوام النّاس کے عقائد بوجہ کم علمی کے خراب اور مُشرکانہ ہو جاتے ہیں۔ جہاں اِس قسم کا اندیشہ ہو، وہاں لوگوں کو اصل کی طرف متوجّہ کرنا ضروری ہے۔ اِسی اندیشہ کے پیشِ نظر حضرتِ گولڑویؒ نے عوام کو مزاراتِ اولیاء کے بوسہ لینے سے بھی منع فرمایا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ اظہارِ عقیدت سجدوں تک نہ جا پہنچے۔ چونکہ خانقاہی ماحول سے متعلّق اکثریّت علومِ اسلامیہ سے نابلد ہوتی ہے، اِس لئے حضرت صاحبؒ نے اِس کا سدِّباب بھی کیا۔ حضرت بابوجیؒ نے بھی اِسی احتیاط کو ہمیشہ مدِّنظر رکھا۔ آج کے دَور میں مزارات پر جو بدعات ہوتی ہیں، اُن کے ذمّہ دار متولّیانِ درگاہ اور علماء و خطباء ہیں۔ ایسے خوفناک اور ایمان سوز مناظر عقیدت میں حد سے گزرنے والے خطیبوں کے مواعظ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو سجدہ کرنے سے روکا جائے تو فوراً وہابی کا فتویٰ داغ دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ شاید تم دین کے دو چار لفظ پڑھ کر ہضم نہیں کر سکے کہ ایسے اُلٹے سیدھے اعتراضات کر رہے ہو۔

تقبیلِ مزارات کے سلسلہ میں حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کا مسلک

عام طور پر یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری کے وقت بوسہ نہ دینا، منکرین کا عمل ہونے کے ساتھ سوئے ادب اور گستاخی ہے، حالانکہ خود صوفیاء کی تحریرات میں اِس سے منع آئی ہے۔ چنانچہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اِس سلسلے میں فرماتے ہیں "پس اقربِ صواب آں می نماید کہ کسے از ثقات و مقتدایاں تقبیلِ مزارات ہم ننماید، تا کہ عوام کالانعام در ورطۂ ضلال نیفتند، چہ بہ سببِ جہل فرق میانِ سجود و تقبیل کردن نمی توانند"۔ پس (تحقیقِ بالا کے پیشِ نظر) بہتر یہی ہے کہ اربابِ علم اور قوم کے رہنماؤں میں سے کوئی شخص مزارات کا بوسہ نہ لے تا کہ (دیکھا دیکھی) بے علم اور بے دانش لوگ گمراہی کے بھنور میں نہ پڑ جائیں، کیونکہ وہ جہالت کی وجہ سے بوسہ اور سجدہ میں تمیز نہیں کر سکتے۔

(ملاحظہ ہو تحقیق الحق، از حضرت گولڑوی، ص 105، طبعِ دوم دسمبر 1991ء مطبوعہ لاہور)

اِس وضاحت کے باوجود بھی حضرت گولڑویؒ کی محوّلہ تحقیق اور مسلک پر بہت کم لوگ عمل کرتے ہیں، کیا یہ عمل کرنا حضرت گولڑویؒ کے مسلک کی کُھلی خلاف ورزی قرار نہیں پاتا؟ جو لوگ حضرتِ گولڑویؒ کے مسلک کا خود کو ٹھیکیدار سمجھتے ہیں، وہ کسی دُوسرے کو اُن کے مسلک کا تارک کہنے سے پہلے اپنے گریبانوں میں بھی ذرا جھانک لیا کریں۔

اگر ہم نے حضرتِ گولڑویؒ کے دیگر مسالک و مشارب کا ذکر کر دیا تو پھر نام نہاد محبّانِ مہر علیؒ کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ باقاعدہ و روزانہ سماع بالمزامیر اور شوقیہ تصویر کشی کے مسئلہ میں حضرت صاحبؒ کا مسلک واضح ہے۔

آداب و زیارتِ قبور کے سلسلہ میں شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی ہدایت

اب ہم یہاں حضرتِ گولڑویؒ سے بھی بڑا اور معتبر ایک اور حوالہ پیش کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ جن کی علمی عظمتوں کو سب تسلیم کرتے ہیں اور خود حضرتِ گولڑویؒ نے نہ صرف اُن کی تعریف فرمائی بلکہ اُن کی عبارات اور تحقیق کو حوالے کے طور پر اپنی تصانیف میں بھی نقل کیا۔ علاوہ ازیں ہمارے اکثر اہلِ سُنّت اُن کے لئے شیخ علی الاطلاق یا محقّق علی الاطلاق کے الفاظ لکھتے اور بولتے ہیں۔ اِن تمام باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے آدابِ زیارت کے سلسلے میں اِنہی شیخ علی الاطلاق کی تحقیق مع ترجمہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں

”واز جملۂ آدابِ زیارت است کہ رُوئے بجانبِ قبر و پُشت بجانبِ قبلہ مقابلِ رُوئے میّت بایستد و سلام دہد و مسح نکند قبر را بدست و بوسہ ندہد آنرا و منحنی نشود و رُوئے بخاک نمالد کہ ایں عادتِ نصاریٰ است و قرأت نزدِ قبر مکروہ است نزدِ ابی حنیفہؒ و نزدِ محمد مکروہ نیست و صدر الشہید کہ یکے از مشائخ حنفیہ است بقولِ محمد اخذ کردو فتوای ہم برین است و شیخ امام محمد بن الفضل گفتہ کہ مکروہ قرأتِ قرآن بہ جہر است واما مخافت لا باس بہ است اگرچہ ختم کند۔

(ملاحظہ ہو، اشعۃ اللّمعات فارسی، از شیخ عبدالحق دہلویؒ، جلد اوّل، باب زیارۃ القبور، ص 763، مطبوعہ لکھنؤ)

ترجمہ: زیارت کے آداب سے یہ ہے کہ زائر قبر کی طرف منہ اور قبلے کی طرف پیٹھ کر کے میّت کے منہ کے برابر کھڑا ہو جائے' اُسے سلام کہے' ہاتھ سے قبر کو نہ چُھوئے اور نہ اُسے بوسہ دے اور نہ قبر کے سامنے جُھکے اور قبر کے سامنے مٹّی پر اپنا منہ نہ مَلے' کیونکہ یہ سب کچھ نصرانیوں کا طریقہ ہے اور قبر کے پاس قرآنِ مجید کی تلاوت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے' مگر امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ حنفی مشائخ میں سے صدر الشّریعہ نے امام محمدؒ کے قول کو لیتے ہوئے اِسی پر فتوای دیا ہے اور شیخ امام محمدؒ بن الفضل نے کہا ہے کہ قبر کے نزدیک اُونچی آواز میں قرآن خوانی مکروہ ہے' لیکن اگر دھیمی آواز میں ہو تو سارا قرآنِ مجید پڑھ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

آدابِ زیارتِ قبور کے سلسلے میں پہلے ہم نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے الفاظ مع ترجمہ نقل کیے اور پھر اُن سے بڑی شخصیّت حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلویؒ کے الفاظ مع ترجمہ نقل کیے ہیں۔ اِس سے بڑھ کر معترضین کو کیا ثبوت چاہیئے' کیا حضرتِ گولڑویؒ اور حضرتِ دہلویؒ کی شخصیّات سند کا درجہ نہیں رکھتیں؟ اگر رکھتی ہیں تو اُن کی اِس تحقیق پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا' یا عمل کرنے والے پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے اور اگر یہ شخصیّات سند کا درجہ نہیں رکھتیں تو اپنے کسی اور موقف کی تائید میں اِن کو بطورِ سند کیوں پیش کیا جاتا ہے۔ کیا بعض مسائل میں یہی لوگ سند ہیں اور بعض میں نہیں ...... ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

یا پھر

میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تُھو تُھو

اُن متولّیانِ درگاہ اور خطباء پر افسوس ہے' جو اپنے اسلاف کی ہر سطر اور ہر قول کو قرآن و سُنّت کا نچوڑ تصوّر کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی یہی بتلاتے ہیں' مگر جب اُن کی اپنی مرضی کے خلاف کوئی بڑی سے بڑی سند بھی سامنے رکھ دی جائے تو محض ضد اور ہٹ دھرمی کے سبب اپنے اسلاف کے طرزِ عمل اور اُن کی تحقیقات کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا

کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس منافقانہ، شاطرانہ اور موقع شناس عقیدت مندی سے بچائے۔ آمین

آدابِ زیارت سے متعلّق مذکورہ بالا تصریحات کے بعد عوام سے عمل کرنے کی کیا اُمید کی جاسکتی ہے، جب کہ خود خواص بھی اِن تصریحات کے خلاف عمل پیرا ہوتے ہیں۔ مثلاً صاحبِ درگاہ کی اپنی اولاد ہی جب اپنے اسلاف کی ایسی تعلیمات کے خلاف عمل کرتی ہے تو لامحالہ کم علم اور اندھی عقیدت کے نشے میں دُھت مُریدین کیسے رُک سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ شیخ کی اولاد کو وہی عمل کرتے ہوئے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ پھر کتمانِ حق کرنے والے درباری خطیب جب صاحبِ مزار کی عبارات اور اقوال کی مختلف تاویلات پیش کرتے ہوئے ایک ممنوع چیز میں جوازِ عمل کا دروازہ کھول دیتے ہیں، تو مشائخِ سلف کی اِس ساری محنت پر پانی پھر جاتا ہے۔ نتیجتاً عوام وہی کام کرنے لگ جاتے ہیں، جن سے مشائخ نے سختی سے روکا ہوتا ہے۔ اِس کے باوجود مشائخ کی اولاد اور اُن کے ایسے خوشامدی خطیب اور مدّعیانِ علم خود کو اُس شیخ کے مسلک کا محافظ سمجھتے ہوئے لوگوں کو اِس کا یقین دلاتے رہتے ہیں کہ فلاں صاحب تو اپنے آباءواجداد کے مسلک کو چھوڑ گئے، اب ہم ہی اُن کے مسلک کی آبرو رکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ حضرتِ گولڑویؒ نے مقتدایانِ قوم اور خواص کو بالخصوص مزارات کے بوسہ سے منع فرمایا، جب خواص کو بھی ایسا کرنے سے روک دیا گیا، عوام تو بدرجۂ اَولیٰ اِس منع کی زد میں آگئے۔ کیونکہ خواص کا عمل عوام کے لئے نمونہ اور حجّت ہوتا ہے اِسی لئے خواص کو بطورِ خاص منع کیا گیا، حالانکہ وہ تو بوسہ اور سجدہ کا فرق بخوبی سمجھتے ہیں اور عوام جو یہ فرق بھی نہیں سمجھتے اُن کے لئے تو منع مزید سخت اور بدرجۂ اتمّ ہوگی۔ مقتدایانِ قوم سے اگر درگاہ کے سجادہ نشین اور شیخ کی اولاد مُراد نہیں تو پھر وہ کون لوگ ہیں۔ کیا باہر سے آنے والے عام زائرین مُراد ہوں گے کہ وہ بوسہ نہ دیں۔ یہ عجیب منطق ٹھہری۔ کیا یہاں اوّل خویش پھر درویش کا مقولہ قابلِ عمل نہیں رہتا؟

تقبیلِ قُبور اور حضرت بابو جیؒ کا معمول

مَیں نے خود اپنے جدِّ امجد حضرت بابو جیؒ کو بارہا دیکھا کہ وہ اپنے والدِ ماجدؒ کے مزار کو بوسہ نہیں دیتے تھے۔ یعنی کبھی دے دیتے اور کبھی نہ دیتے۔ مَیں نے ایک مرتبہ خود اُن سے جب یہی سوال کیا تو فرمایا کہ بوسہ دینا ضروری نہیں، عوام جب یہ عمل مسلسل دیکھتے ہیں تو پھر وہ بوسہ سے سجدہ کی طرف ترقی کرنے لگ جاتے ہیں۔ لٰہذا میرے دادا علیہ الرّحمہ اِس سلسلے میں بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ یہ وہ دَور تھا جب مَیں نے حضرتِ گولڑویؒ کی کتابوں کا زیادہ مطالعہ نہیں کیا تھا اور بوسہ زنی کے بارے آپؒ کی تحقیق کا اتنا علم بھی نہ رکھتا تھا۔ بہرحال اہلِ مزار کا ایک حد تک ضرور ادب کرنا چاہیئے، کیونکہ وہ بہرحال ہم سے کہیں بہتر اور پھر مقبولِ بارگاہِ ایزدی تھے۔ مگر اُنہی حدود تک آداب بجا لانا چاہئیں، جن کا ذکر شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے فرمایا اور ہم نے ابھی اُن کا ذکر بھی کیا۔ کیا کوئی شخص محدّثِ دہلویؒ پر یہ فتوٰی لگانے کی جسارت کر سکتا ہے کہ اُنہوں نے یہ سب کچھ لکھ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، یا وہ خود بدعقیدہ انسان تھے، یا اُن کی اور حضرتِ گولڑویؒ کی ایسی تحریرات مسلمانوں کو گستاخی اور بے ادبی کا درس دیتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر ایسی تمام تحریرات کو اُن کی تصانیف سے خارج کر دینا چاہیئے، اور اِن حضرات کو اپنی تقریر و تحریر میں بطورِ سند پیش نہیں کرنا چاہیئے۔ پس اگر یہ گستاخی ہے تو قبلہ پھر صرف ہم ہی گستاخ اور بدعقیدہ نہیں بلکہ ......ع

اِس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

صوفیائے سلف کا باہمی ادب للّٰہیت پر مبنی تھا اور جب وہ اکابرِ صالحین کے مزارات پر حاضر ہوتے تو اپنی خداداد رُوحانی طاقت سے عالمِ کشف میں اُن سے ہمکلام بھی ہُوا کرتے تھے۔ اِس ظاہری پُوجاپاٹ کے وہ قائل نہیں تھے، کیونکہ وہ آدابِ زیارتِ قبور سے واقف تھے۔ مگر آج چونکہ نہ زائرین کو یہ مقام حاصل ہے اور نہ اولادِ شیخ کو کہ وہ عالمِ کشف میں صاحبِ مزار سے رابطہ کر سکیں۔ لٰہذا وہ صرف چُومنے چاٹنے ہی کو کمالِ ادب اور اظہارِ عقیدت

کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو اُنہیں اِس بات کا خوف ہوتا ہے کہ مُریدین اور عام زائرین اُنہیں اپنے بزرگوں کا بے ادب کہیں گے۔ لہٰذا اکثر ایسا ادب اِس لئے ہوتا ہے تاکہ مُریدین کو یہ دکھایا جائے کہ ہم اپنے بزرگوں کا کس قدر ادب کرتے، اور اُن سے کتنی عقیدت رکھتے ہیں۔ تو لا محالہ جب عام مُریدین یہ دیکھیں گے کہ شیخ کی اولاد اپنے بزرگوں کا کس قدر ادب کرتی ہے تو مُریدین شیخ کی اولاد کا اُسی قدر ادب و احترام کریں گے۔ ہاتھ چُومیں گے، تعظیمًا کھڑے ہو جائیں گے، نذر و نیاز دیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا اکثر ایسے مقامات پر بزرگوں کے ادب و تعظیم کی آڑ میں پسماندگانِ مشائخ دراصل مُریدین و زائرین سے محض اپنی پُوجا پاٹ اور تعظیم کرانے کے چکّر میں مبتلا ہوتے ہیں اور اِسی خود غرضی نے اُن کو بڑا مؤدّب، نیاز مند اور خاکسار بنایا ہُوا ہوتا ہے۔ حالانکہ اُن کے اندر کبر و خود پرستی بھری ہوتی ہے اور محفل و مجلس میں اپنی آمد اور تشریف آوری کے وقت اُنہوں نے کچھ نمائندے اور خاص چمچے مقرّر کر رکھے ہوتے ہیں جو اُن کی آمد پر حاضرینِ مجلس کو ہاتھ کے اشارے اور زبان سے خبردار کرتے ہیں اور کہتے ہیں "اُٹھو! حضرت صاحب تشریف لا رہے ہیں" اور وہ حضرت صاحب بھی اپنی جلوہ گری اور تشریف آوری پر بھری محفل کو تعظیمًا اُٹھتا دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ...... ع ہم میں کچھ ہے

اور ظاہری طور پر آنکھیں نیچے کیے عجز و انکسار کی تصویر بنے ہوئے محفل میں داخل ہوتے ہیں جیسے کہ وہ یہ سب کچھ ناپسند کرتے ہوں اور اُنہیں اِس پر کوئی خوشی نہ ہوتی ہو جبکہ۔

نہیں کہہ کر نگاہیں جھک گئی ہیں
ترے انکار میں اقرار بھی ہے

محفل میں اپنی تشریف آوری پر لوگوں کے ہجوم کو اُٹھتا دیکھ کر خوش ہونے والے رسولِ اکرم نُورِ مجسّم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے اِس فرمانِ عالی شان پر بھی ذرا توجّہ دیں، آپؐ نے فرمایا: مَن سَرّهُ أن يتمثّل لَهُ الرّجالُ قيامًا فليتبوّأ مقعدهُ من

النّار (مشکوٰۃ شریف) ترجمہ: جو شخص اِس بات پر خوش ہو کہ لوگ اُس کے آگے تعظیماً کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانہ جہنّم بنالے۔ دراصل اِن صاحبزادگانِ مشائخ میں مُریدین و زائرین سے اپنی تعظیم کرانے کی خواہش پوشیدہ ہوتی ہے۔ بزرگوں کی ایسی تعظیم کا کیا فائدہ، جس میں اُن کی ذات کو صرف کیش (Cash) کرایا جائے۔ یہ تو مطلب کی پوجا ہوئی، ایسی ہی تعظیم اور پوجا کے لئے مَیں نے ایک رباعی کہی تھی، جو میرے مجموعۂ رباعیات رنگِ نظام میں موجود ہے۔ اِس کا عنوان ہے مطلب کی پوجا ؎

ہے کفر و ضلالت یہ نیاری پوجا
مبنی ہے فریب پر یہ ساری پوجا
ہم اپنے بڑوں کو اِس لئے پوجتے ہیں
ہو تاکہ اُسی طرح ہماری پوجا

حضرت بابوجیؒ کے نام حضرت گولڑویؒ کے ایک نصیحت آموز خط کا اقتباس

حضرت پیر مہر علی شاہؒ جو خود ایک عظیم مدرّسِ توحید تھے، یہاں آپ کے ایک خط کا اقتباس نذرِ قارئین کیا جاتا ہے، یہ خط آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت بابوجیؒ کے نام تحریر فرمایا تھا۔ ذرا اندازِ تلقین اور پھر انتخابِ الفاظ کا پہلو ملاحظہ ہو۔

''ہر کام اور ہر حال میں اُسی لطیف قبل از لطیف کی طرف دھیان رکھو اور اُسی کے دست نگر رہو۔ در رحمِ امّہات اُس کی بے عوض عنایت نے کیا کچھ کم کیا ہے، جو آئندہ نہ کرے گا۔ صرف ایک اِسی نعمت کا شکر یہ ادا نہیں ہوسکتا کہ باوجود اطلاع علی المعاصی عفو و رحم و ستاری سے معاملہ فرمارہا ہے۔ ایسے ستّار و رحیم سے بہرحال کامل امّید کامیابی کی ہوسکتی ہے۔

مکرّر لکھتا ہوں کہ بہرحال اُسی کے دروازہ پر گڑگڑانا اور اُسی سے محظوظ ہونا اصل الاصول ہے حصولِ سعادتِ دارین کے لئے۔ خالص بندہ کو حصولِ مطلب سے چنداں حظ نہیں ہوتا، جس قدر کہ اُس کے آگے ہاتھ پھیلانے اور اظہارِ نیاز سے۔ اوّل لالچ ہے اور ثانی عبادت۔

عالم، فاضل، متّصف بہ اوصافِ کاملہ ہمہ شدیم، مگر بندۂ او نشدیم کہ در بندِ خویشیم، خواہ از عالمِ دُنیا یا از عالمِ عقبیٰ"۔ (ملاحظہ ہو مہرِ منیر، باب 6، ص 326، مطبوعہ لاہور)

معترض متوجّہ ہوں

کہ اُن کو غلامِ مہرِ علی ہونے کا بڑا دعوٰی ہے۔ بحمد اللہ ہم بھی اُن کے نیاز مند ہیں، مگر اُنہی کی بتائی ہوئی راہِ اعتدال کو پسند کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ اِس خط میں حضرت بابو جیؒ کو اللہ ہی سے مانگنے اور اُسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی تلقین فرمائی گئی اور یہ کہ مکرّر لکھتا ہوں کہ ہر حال میں اُسی کے دروازے پر گڑگڑانا۔ کیا معترض کے مطابق آپ نے یہ جملہ لکھ کر انبیاء و اولیاء کے دروازوں کی ہتک نہیں کر دی؟ اور آخری جملہ میں اللہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلانے یعنی دُعا کرنے کو اوّلاً لالچ سے تعبیر کیا اور ثانیاً عبادت قرار دیا۔ یعنی حضرتِ گولڑویؒ کے نزدیک بھی دُعا عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کے لئے خاص ہے۔ گویا حضرت پیر صاحبؒ کے نزدیک بھی اللہ ہی سے مانگنا چاہیئے۔ اگر کسی اور سے مانگا جائے گا تو یہ اِس لئے جائز نہ ہوگا کہ مانگنا یعنی دُعا عبادت ہے اور عبادت بالاتّفاق اللہ تعالیٰ کے لئے خاص اور غیرُ اللہ کے لئے حرام اور مُوجبِ شرک ہے۔ لٰہذا شاعر کا یہ کہنا کہ ......ع

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے

عقیدۂ توحید، سُنّتِ انبیاء اور تعلیماتِ مہریہ کے عین مطابق ٹھہرا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ راہِ اعتدال کو پسند فرماتا ہے۔ قرآن و سُنّت کے مقرّر کردہ اُصولوں اور حدود میں رہتے ہوئے ایک مسلمان کو زندگی بسر کرنا چاہیئے' اتخذوا احبارھم ورھبانھم...... الخ میں علمائے یہود اور نصاریٰ کے پادریوں کا ذکر فرما کر یہ بتانا چاہا کہ اے اُمّتِ محمدیّہ! تم ایسا نہ کرنا، احبار جمع حبر اور حبر یہود کے عالم کو کہا جاتا ہے' اِسی طرح رھبان جمع راھب اور راھب پادری کو کہتے ہیں۔ چوں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کو پسِ پشت ڈال کر اپنے علماء اور اپنے پادریوں کو ترجیح دی تھی، لٰہذا اللہ نے اُن کے لئے

اربابا من دون اللّٰہ کے الفاظ فرمائے۔ حضرت عدیؓ بن حاتم نے رسالت مآب علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے مقابلے میں ربّ تو نہیں مانتے تھے اور اُن کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ پھر اللہ نے اربابامن دون اللّٰہ کے الفاظ کیوں فرمائے؟ آپ نے جواباً فرمایا کہ اگر علماء اور پادری اللہ کی کسی حلال کردہ چیز کو حرام اور کسی حرام کردہ چیز کو حلال کہہ دیتے تھے تو کیا یہود و نصاریٰ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پادریوں کی بات کو تسلیم نہیں کیا کرتے تھے؟ حضرت عدیؓ نے عرض کی جی ہاں ایسا ہی کرتے تھے۔ فرمایا اِسی کو عبادت کہتے ہیں اور اللہ کے مقابلے میں ربّ بنالینے کے یہی معنٰی ہیں۔ اِس روایت کو بحوالۂ کُتبِ حدیث صاحبِ رُوح المعانی نے نقل کیا اور اِسی روایت کو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ان الذین تدعون من دون اللّٰہ عبادٌ امثالکم کے نزول کے وقت حضرت عدیؓ کے اِسی سوال کے حوالے سے تفسیرِ مظہری میں بھی نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت پیر مہر علی شاہؒ بالکل اِسی عقیدے کو اہلِ ایمان کے دلوں میں راسخ کرنے کے لئے اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ "جس طرح تحلیلِ ماحرّم اللّٰہ کُفر ہے، اُسی طرح تحریم مااحلّ اللّٰہ بھی کُفر ہے"۔ یعنی جس طرح اللہ کی کسی حرام کردہ چیز کو حلال کہنا یا سمجھنا کُفر ہے، اُسی طرح اللہ کی کسی حلال کردہ چیز کو حرام کہنا اور سمجھنا بھی مُوجبِ کُفر ہے۔

(ملاحظہ ہو ملفوظاتِ مہریہ، ص64، ملفوظ نمبر60، مطبوعہ گولڑہ شریف، سالِ طباعت1997ء)

اِس کے علاوہ اگر معترض کے علم میں أمّن یجیب المضطرّ اذا دعاہ ویَکشفُ السّوءَ اللہ کے سوا کوئی اور ذات ہے تو اُس کی نشاندہی ضرور کرے تاکہ ذرا مزا بدلنے ہی کی خاطر کچھ دیر کے لئے اُسے بھی پُکار لیا جائے اور اپنی تکالیف کا درماں کرا لیا جائے۔ میرے جدِّ امجد حضرت پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہٗ نے تو فرمایا تھا......ع

بے شک آپے آپ ہے اساں سبّھے جھوکاں بھالیاں

معترض صاحب بتائیں کہ سبّھے جھوکاں سے حضرت پیر صاحبؒ کی مُراد کون کون سے

دروازے، کون کون سے لوگ اور کون کون سے مظاہرِ قُدرت ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ ...... ع

سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

یہ بھی واضح کریں کہ اگر کسی انسان کی اپنی کوئی الگ ہستی اور شان ہے تو پھر "جس شان تھیں شاناں سب بنیاں" کا مطلب کیا ہے؟ میری دانست کے مطابق سب شانوں سے مُراد انبیاء اور خاصانِ حق کی شان ہے کہ اُن سب کی شانیں اللہ کی شان کی محتاج ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو جس کا محتاج ہو وہ اُس ہی سے مانگتا ہے کہ جس کا وہ محتاج ہے۔

ہم نے اپنے اِس تفصیلی تجزیہ میں جو کچھ پیش کیا، اُس کا تعلّق براہِ راست قرآن و سُنّت سے ہے یا پھر صوفیائے کرام کی اُن تحریرات سے ہے، جو اُنھوں نے شرعی حیثیّت کو واضح کرنے کے لئے بہ صورتِ فتوٰی صادر فرمائیں۔ لٰہذا ہم اِسی سطح کا جواب تسلیم کریں گے۔ صوفیاء کی شعر و شاعری کو اگر شرعی فتوٰی کا درجہ دیا جائے تو پھر صوفیاء کو چاہیئے تھا کہ وہ مخالفین کے سوالات و اشکالات کے جواب میں اپنے اشعار پیش کرتے، مگر اُن میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ شعر و شاعری کا ذوق الگ چیز ہے اور سیفِ چشتیائی، تحقیق الحق اور اعلاء کلمۃ اللہ ایسی فاضلانہ اور محققانہ تحریرات کا مقام ایک الگ چیز ہے۔ کیونکہ صوفیاء کے عالمِ وجد میں صادر ہونے والے کلامِ موزوں یعنی شعر کا تعلّق اُن کے اپنے وجدانیات تک محدود ہے، جس کے اہلِ ایمان مکلّف نہیں۔ مگر اِس کے برعکس قرآن و سُنّت کی روشنی میں اُن کی وہ تحریرات جو اُن تک ہی محدود نہیں، بلکہ تمام اہلِ ایمان کو اپنے عقائد اور اپنی اصلاح کی خاطر شریعت کی طرف سے دعوتِ فکر دیتی ہیں۔ اُن کا مطالعہ ہر باشعور مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اُن میں پیش کیے جانے والے دلائل پر پُوری توجّہ دے اور اگر وہاں کوئی دلیل اُسے کمزور معلوم ہو یا اُس پر کسی قسم کا کوئی عقلی و نقلی اعتراض وارد ہوتا ہو تو نہایت ہی معقول انداز میں اِس کا رد پیش کرے، مگر زبان شائستہ، شستہ اور نہایت ہی مہذّب ہو جیسا کہ حضرت پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہٗ نے اپنے اساتذہ کی صف کے اہلِ علم کے خیالات و اندازِ فکر کا باادب انداز میں رد

پیش کیا۔ تصدیقِ مزید کے لئے آپ کی تصنیف تحقیق الحق اور اعلاء کلمۃ اللہ کا مطالعہ کافی ہوگا۔ اِس کے باوجود کوئی معقول انسان حضرت گولڑویؒ کو اپنے اساتذہ یا مشائخ کا گستاخ نہیں کہہ سکتا، کیونکہ آپ نے جن بزرگ ہستیوں کی بعض عبارات کو مزلّۃ الاقدام سمجھتے ہوئے دلائل سے رد کیا۔ اِس کے باوجود آپؒ اُن کی علمی عظمت کے معترف بھی تھے۔ بہر حال اب بات کو سمیٹتے ہوئے قارئین کو اصل موضوع کی طرف متوجّہ کرنا چاہتا ہوں۔

عبادٌ امثالکم کے تحت آخری بات

آیات کے مخاطب چاہے مُشرکین ہوں یا اصنام، یہ بات ازرُوئے شریعت طے ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا بشمول انبیاء و اولیاء کوئی بھی مخلوق لائقِ عبادت نہیں۔ انسان اور بُتوں کے درمیان حُرمتِ عبادت قدرِ مُشترک ہے لہٰذا دونوں کی عبادت حرام ہے اور یہ کہ دُعا یعنی مانگنا عبادت ہے یا نہیں، اِس کی تشریح شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی عبارات نے واضح کر دی۔ علاوہ ازیں قرآن و احادیث سے بھی اِس کی توثیق کر دی گئی۔ نہ ماننے کا علاج تو انبیاء کے پاس بھی نہ تھا، اُنہیں بھی اِنْ علیكَ اِلّا البَلَاغ تک محدود رکھا گیا۔ بہر حال معترض کا یہ کہنا کہ مَیں نے اصنام اور مُشرکین کے بارے نازل شُدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کیا، غلط ٹھہرا۔ کیونکہ اِس کی مثال حضرت گولڑویؒ کی اپنی تحریر سے مع تجزیہ پیش کر دی گئی۔ اگر پھر بھی ضد ہے تو پھر اِس کی زد میں، مَیں ہی نہیں، بلکہ حضرت پیر صاحبؒ بھی آتے ہیں۔ فرمایئے اب ارادے کیا ہیں؟ بقولِ شاعر ؎

جل گیا اپنا نشیمن تو کوئی بات نہیں
دیکھنا یہ ہے کہ اب آگ کدھر لگتی ہے

عبادٌ امثالکم کے ضمن میں مفسّرین کی آراء

معترض کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ تمام مفسّرین نے آیۂ عبادٌ امثالکم کے تحت لکھا ہے۔ انها مملوكة و مخلوقة یعنی مملوک اور مخلوق ہونے میں جو مماثلت اصنام

اور مُشرکین میں ہے وہی اصنام اور اولیاء میں ہے، اللہ جلّ جلالہٗ کے سامنے جب پیشی ہو گی تو مملوک و مخلوق کی حیثیّت سے اصنام اور اولیاء برابر ہوں گے۔ جیسے وہ مخلوق و مملوک، ویسے یہ بھی مخلوق و مملوک۔ جیسا آیۂ انما انا بشر مثلکم میں کُم ضمیر کا مرجع مُشرکین ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی مُشرکین کے ساتھ مثلیّت مخلوقِ خدا ہونے میں ہے، وہی مثلیّت اصنام و اولیاء وغیرھم میں بھی ہے۔ لہٰذا قادرِ مطلق اور رزّاقِ برحق کے سامنے جس طرح اصنام اور مُشرکین سائل ہیں، ویسے ہی انبیاء و اولیاء بھی اُسی کے سائل اور مخلوق و مملوک ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جیسے مُشرکین اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم میں یُوحٰی اِلیّ حدِ فاصل ہے اِسی طرح اصنام و اولیاء میں آیت اِنّ الذّین سَبقَت لَھُم منّا الحُسنی اُولٰئك عنھا مُبعدُون فائدۂ تمیز دیتی ہے۔ گویا بقولِ راقم الحروف ؎

اولیا تیرے محتاج اے ربِّ کُل، تیرے بندے ہیں سب انبیاء و رُسُل

اِن کی عزّت کا باعث ہے نسبت تری اِن کی پہچان تیرے سوا کون ہے

درست ٹھہرا۔

بعض دفعہ کچھ حضرات جب خود ساختہ واختراعی مذہب و موقف پر بزعمِ خویش دلائل دینا شروع کرتے ہیں تو پھر انصاف و دیانت کا دن دیہاڑے خون کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جو مضحکہ خیز بھی ہوتا ہے اور خوں ریز بھی۔ مثلاً اِسی مسئلۂ استعانت پر معترضین و مخالفین جب کتاب و سُنّت سے دلائل تلاش کرنا شروع کرتے ہیں تو چونکہ اُن کا موقف تارِ عنکبوت کی طرح کچا اور بے سر و پا ہوتا ہے، اِسی لئے اُنہیں اپنے موقف کی تائید میں کتاب و سُنّت سے، سوائے مایوسی کے کچھ نہیں مِلتا۔ لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہوتے ہیں کہ با ہوش و خبر دار معاشرہ میں اُن کے خانہ زاد مذہب کی وقعت اُس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک قرآن و حدیث سے کچھ نہ کچھ اِس کی تائید میں پیش نہ کیا جائے۔ بس پھر کیا ہوتا ہے، وہ قرآنِ مجید میں سے ایسی آیات جن کا مورَد کچھ، حکم کچھ اور مفہوم کچھ ہوتا ہے، لیکن یہ

بے چارے علمی یتیم اِن میں کھینچا تانی کر کے اُنہیں اپنے حق میں صرف کرنا چاہتے ہیں تو بقولِ علّامہ اقبالؒ...... ع خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

کے مصداق آیاتِ قرآنیہ میں ردّو بدل اور خود ساختہ تأویلات کرنے لگتے ہیں اور یُحرّفون الکلم عن مواضعه کا پُورا پُورا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اِسی طرح ذخیرۂ حدیث میں سے جو کُتب دُنیائے حدیث اور علمِ نقد و رجال میں معتبر تصوّر کی جاتی ہیں اُنہیں ہاتھ نہیں لگاتے، کیونکہ اُن میں اِن مسکینوں کے لئے کچھ نہیں ہوتا، اِسی لئے غیر معروف اور ضعیف کُتب میں سے وہ روایات ڈھونڈ لاتے ہیں جن کی سند کا پتہ تو درکنار، حوالہ بھی صحیح طرح سے معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اِسی موضوعِ مذکور پر زمانۂ ماضی قریب کے ایک مشہور عالم و مفتی صاحب کی کتاب دیکھنے کا اتّفاق ہُوا تو مَیں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ غیرُ اللّٰہ سے استعانت کے بارے اُنہوں نے جو آیت سب سے پہلے پیش کی اُس کا اِس موضوع کے ساتھ کوئی تعلّق ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو اِس محاورے کے مطابق ...... کہ من چہ می سرایم وطنبورۂ من چہ می سراید

یہی آیت اُن کے موقف کی کُھلی تردید کرتی نظر آتی ہے۔ قارئینِ گرامی! آپ بھی اُن کی پیش کردہ آیت اور اُس سے اُن کا طرزِ استدلال ملاحظہ کیجئے اور قتلِ انصاف کا ماتم کیجئے۔

معترضین کے دلائل

فرماتے ہیں...... غیرُ اللّٰہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات، احادیثِ صحیحہ اور اقوالِ فقہاء و محدّثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں، قرآنِ کریم فرماتا ہے وَادعُوا شُهَدآءَ کُم مِن دُون اللّٰه ان کُنتُم صٰدِقین (اور اللّٰہ کے سوا اپنے سارے حمائتیوں کو بُلا لو اگر تم سچّے ہو) اِس میں کفّار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورة بنا کر لے آؤ اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمائتیوں کو بُلا لو۔ غیرُ اللّٰہ سے مدد مانگنے کی اجازت دی گئی ہے۔ انتہٰی:

اِس آیت سے استدلال کرنے میں مفتی صاحب متعدّد طریقوں سے بُھولے ہیں۔

نمبر 1۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مُشرکین پر چوٹ کی، تعریضاً اُنہیں کہا کہ تمہارا جو عقیدہ ہے کہ اللہ کے علاوہ اصنام اور تمہارے رؤساء و اکابر تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور تم اُنہیں مختلف مُشکلات میں پُکارا کرتے ہو اب تم پر یہ بہت بڑی مصیبت آن پڑی ہے کہ تم عرب لوگ اپنی زبان دانی اور فصاحت پر بڑے نازاں ہو اور تم پُوری دُنیا کے دُوسرے (غیر عرب) لوگوں کو عجمی یعنی گونگا کہتے ہو تمہاری اِسی فصاحت و بلاغت اور زبان دانی کے لئے یہ چیلنج ہے کہ تم قرآنِ مجید کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی سورت ہی بنا کر لاؤ۔ لہٰذا اِس مصیبت اور پریشانی میں اُن اپنے جھوٹے معبودوں اور معاونین و ناصرین کو پُکارو، اپنے ساتھ ملاؤ، تاکہ تمہارا زبان دانی کا بھرم قائم رہ سکے اور تمہیں ہزیمت و ذلّت نہ اُٹھانا پڑے۔ لیکن اگر وہ تمہاری مدد کو نہ آئیں اور آ بھی نہیں سکتے تو خوب جان لو کہ تم اپنے اعتقاد و ادّعا میں بالکل جھوٹے اور فریب خوردہ ہو۔ امام فخر الدین رازیؒ اِسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(المسئلة السابعة) فی المُراد من الشّهداءِ وجهان (الاوّل) المراد من اُدعُوا فيه الالٰهيّة وهی الاوثان فکانّهٗ قيل لهم ان کان الامر کما تقولون من أنّها تستحق العبادة لما انّها تنفع و تضرّ فقد دفعتم فی منازعة محمّد ﷺ الٰی فاقةٍ شديدةٍ وحاجةٍ عظيمةٍ فی التخلص عنها فتعجلوا الاستعانة بها والا فاعلموا انکم مبطلون فی ادعاءِ کونها آلهة وانّها تنفع و تضر...... الخ

یعنی آیتِ محوّلہ بالا میں شہداء کم سے دو مُرادیں ہیں، نمبر 1۔ جن کو مُشرکین اپنا الٰہ اور معبود مانتے ہیں یعنی بُت، اُنہی کے بارے کہا گیا کہ اگر واقعتہً ایسا ہی ہے کہ تمہارے یہ بُت عبادت کے حق دار ہیں کیونکہ بقول تمہارے یہ تمہیں نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں تو پھر تمہیں چاہیئے کہ اِن سے جلد از جلد مدد مانگو، کہ اِس قرآنی چیلنج کے مقابلے میں تمہاری مدد کر کے تمہیں اِس بلائے ناگہانی اور ذلّت و رُسوائی سے بچالیں اور اگر یہ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر عقل کے ناخن لو اور یہ عقیدہ چھوڑ دو کہ یہ لائقِ عبادت ہیں اور نفع و نقصان دے سکتے ہیں۔

نمبر2. دُوسری مُراد شہداء سے یہ ہے کہ اے مُشرکو! تمہارے جو وڈیرے، سردار اور وہ لوگ جو پیغمبرِ اسلام کے انکار میں تمہارے ساتھ شریک ہیں اُن کو مدد کے لئے بلاؤ تاکہ قرآن کے مقابلے میں تمہاری مدد کریں۔

ذہین قاری پر یہ بات واضح ہو چکی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے مُشرکین کو اُن کے حمایتی بلانے کے لئے تعریضاً کہا کہ تم جن کی پوجا کرتے ہو وہ بُت یا جن اکابر و رؤسا کی بات کو لائقِ اطاعت و تقلید گردانتے ہو اگر تم اُن کی عبادت کرتے ہو، اُن کے حکم کو احکامِ خداوندی کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہو اور دیگر بہت سی مُشکلات میں اُنہیں پُکارتے ہو اب شرمندہ و پشیمان ہو کر بغلیں جھانکنے کے بجائے اُنہیں مدد کے لئے بلاؤ اور اپنے ساتھ ملا کر قرآن کا مقابلہ کرو۔ جو لوگ اِس سے استدلال کر رہے ہیں اُنہیں ماننا پڑے گا کہ اگر یہاں مُشرکین کو اپنے حمایتی بلانے کی اجازت دینے سے غیرُ اللّٰہ سے استعانت ثابت ہو رہی ہے تو پھر غیرُ اللّٰہ کی عبادت اور اُن کے ہر حکم کو حُکمِ خداوندی کے مقابلے میں ترجیح دینے کا جواز بھی یقیناً ثابت ہو رہا ہے۔ بتائیے! یہ نتیجہ کیسا رہے گا؟ خدارا کچھ تو دیکھ بھال کر استدلال کیا کرو۔

نمبر3. اگر علیٰ وجہ التّسلیم یہ اجازت مان بھی لی جائے کہ کفّار کو اجازت دی گئی ہے کہ اپنے حمائتیوں کو بُلا لو تو پھر بھی یہ اجازت کفّار کے لئے ہے نہ کہ اہلِ ایمان کے لئے۔

نمبر4. قرآنِ مجید نے متعدّد مقامات پر تعریضاً کچھ باتیں کی ہیں کیا اُنہیں حقیقتاً لیا جائے گا جیسا کہ کافر کو بروزِ قیامت کہا جائے گا ذُق اِنك انت العزیز الکریم۔ کتنی حیرت کی بات ہے اللہ تعالیٰ کفّار کی بے بسی اور عاجزی ظاہر کرنے کے لئے اُن پر چوٹ کر رہا ہے کہ اگر تم من دون اللّٰہ اپنے تمام رؤساء و اکابر اور معبودانِ باطلہ کو بھی ساتھ ملا لو تو میرے رسولِ برحق محمد ﷺ کے منہ مبارک سے نکلنے والے قرآن کے مقابلے ایک سورۃ بھی بنا کر نہیں لا سکتے اور یہ یار لوگ خوش ہو کر نعرے لگا رہے ہیں کہ دیکھو اللہ نے ہمیں اجازت بخش دی ہے کہ غیرُ اللّٰہ سے مدد مانگ لیا کرو.....ع بریں عقل و دانش بباید گریست

اِسی طرح تمام قائلینِ استعانت بغیر اللہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ بھی اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ واستعینوا بالصّبر والصّلوة (تم صبر اور نماز سے مدد طلب کرو) اور طرزِ استدلال کچھ یُوں ہوتا ہے کہ دیکھو، یہاں اللہ تعالیٰ نے خود حکم دیا ہے کہ تم صبر اور نماز سے مدد طلب کیا کرو۔ نہ تو صبر ذاتِ باری تعالیٰ کا عین ہے نہ ہی نماز۔ یعنی صبر اور نماز خدا تو نہیں ہے۔ لہٰذا غیر خدا ہوئے تو پھر غیرُ اللّٰہ سے مدد مانگنا جائز ہو گیا اور یہ حکم بھی مسلمانوں کو دیا گیا۔

قارئینِ محترم! پہلی بات تو یہ ہے کہ "یہ حکم مسلمانوں کو ہے" یہ کوئی حتمی اور ضروری نہیں بلکہ مفسّرینِ کرام میں سے بعض کی رائے یہ بھی ہے کہ یہ حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا کیونکہ اِس سارے رکوع میں خطاب بنی اسرائیل کو ہے۔ یبنی اسرآء یل اذکُروا نعمتی الّتی...... الخ چنانچہ اِس اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے علّامہ امام فخرالدّین رازیؒ رقم طراز ہیں:

اختلفُوا فی المخاطبین بقولہٖ سبحانہٗ وتعالٰی واستعینُوا بالصّبر والصّلٰوة فقال قومٌ ھم المؤمنون بالرّسول قالوا لان من ینکر الصّلٰوة أصلًا والصّبر علٰی دینِ محمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم لا یکاد یقال لہٗ استعن بالصّبر و الصّلٰوة فلا جرم وجب صرفہٗ الٰی مَن صدق بمحمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یمتنع أن یکون الخطاب اوّلًا فی بنی اسراء یل ثم یقع بعد ذٰلك خطابًا بالمؤمنین بمحمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم والاقربُ أن المخاطبین ھم بنوا اِسراء یل لان صرف الخطاب الی غیرھم یوجب تفکیك النظم......الخ

یعنی اِس بات میں اختلاف ہے کہ اِس آیت میں خطاب کن سے کیا گیا۔ پس ایک جماعت نے تو کہا کہ اِس آیت میں مخاطب مؤمنینِ اُمّتیانِ محمد مصطفٰی علی صاحبہا الصّلوٰة والسّلام ہیں کیونکہ جو نماز کا منکر ہے اور جس نے دینِ محمدؐ پر استقامت و صبر اختیار نہیں کیا نا ممکن ہے کہ اُس سے کہا جائے کہ تو نماز اور صبر کے ساتھ استعانت کر۔ لیکن اِس صورت میں یہ بات

لازم آئے گی کہ ضمیر کو بنی اسرائیل سے مؤمنین کی طرف پھیرا جائے کیونکہ یہ بات مُشکل ہے کہ اوّلاً خطاب (بنی اسرائیل سے) بنی اسرائیل کو ہو پھر اِس خطاب کو اُن سے پھیر کر کسی اور کی طرف کر دیا جائے اِس سے تو ترتیبِ نظم ختم ہو جائے گی۔

اب آگے امام رازیؒ یہاں ایک ضمنی اعتراض نقل کر کے اُس کا جواب تحریر فرماتے ہیں۔

اعتراض: یہود بنی اسرائیل کو یہاں نماز اور صبر کا حکم کس طرح دیا جاسکتا ہے جب کہ وہ تو اِن کے منکر ہیں؟

جواب: ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ اِن دونوں (صبر اور نماز) کے انکاری تھے کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ جس شخص پر صبر ضروری ہو جاتا ہے اور مصیبت سے نکلنے کا کوئی چارہ نہیں رہتا تو اُس کو صبر ہی کرنا پڑتا ہے اور نماز تمام دُنیوی خیالات اور جنجالوں کو چھوڑ کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو کر دُنیوی پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کا نام ہے۔ البتہ کیفیّتِ نماز میں فرق ہے، یہود کا طریقۂ ادائیگیِ نماز کچھ اور ہے اور ہم محمّدیوں کا کچھ اور۔ تو اللہ تعالیٰ نے نماز کا مکلّف اُنہیں بھی بنایا اور اُنہیں جب حکم دیا کہ ایمان لا کر گمراہی کو چھوڑ کر احکامِ شرع کو اپنے اُوپر لازم کر لو تو اُنہیں یہ بات ذرا مُشکل نظر آئی کہ دُنیوی کرّ و فر چھوڑ کر حکومت و شوکت ترک کر کے کون یہ کیفیّت اختیار کرے؟ اُن کے علاج کے لئے اللہ نے اُنہیں پھر حکم دیا کہ تم اگر میری کرم نوازیوں اور مہربانیوں کے اُسی طرح مستحق بننا چاہتے ہو جس طرح کبھی پہلے تھے تو آؤ نماز اور صبر کو اختیار کر لو تمہارا کام بن جائے گا۔

اِسی طرح تفسیرِ جلالین میں ہے کہ قيل الخطاب لليهود لما عاقهم عن الايمان الشره وحبّ الرياسة فأمروا بالصبر وهو الصوم لانه يكسر الشهوة والصلوة لانها تورث الخشوع وتنفى الكبر۔

یعنی یہ قول بھی ہے کہ اِس آیت میں خطاب یہود سے ہے کیونکہ اُنہیں حکومت و ریاست کے حرص اور دُنیا کی محبّت نے ایمان کے تقاضے پُورے کرنے سے روک رکھا تھا لہٰذا

اُنہیں صبر کا حکم دیا گیا جو کہ (صبر) روزہ ہے جو شہوت اور خواہشات کی کمر توڑ کر رکھ دیتا ہے اور نماز کا حکم دیا گیا کیونکہ اِس سے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے۔ اور تکبّر کی گردن ٹوٹ جاتی ہے۔

علٰی وجہِ التّسلیم

چلو اگر مسلمانوں کو بھی حکم ہو تو یہ مفہوم کہاں سے نکلتا ہے کہ تم تکلیف کی حالت میں پُکارو، اے صبر! اے نماز! آ میرے پاس مَیں بہت پریشان ہوں۔ یا صبر اور نماز خدانخواستہ کسی درخت کا نام ہے کہ حالتِ پریشانی میں جس کو گلے لگا کر آدمی غم ہلکا کرے اور اُس کو اپنے دل کا دُکھڑا سُنا کر غم کا مداوا کرے۔ بلکہ صبر تو ایک کیفیّت کا نام ہے۔ کہ جب دُکھ اور مصیبت ہر طرف سے گھیر لے تو ایک مومن کی یہ شان ہونا چاہیئے کہ وہ رضائے الٰہی کے لئے تکلیف برداشت کرے بلکہ بہ طورِ شکر یہ سجدہ ریز ہو کر اپنے ربّ کو یاد کرے تو اُس کی پریشانی کافُور ہو جائیگی بقولِ راقم الحروف ؎

انبیاؑء اولیاءؒ اہلِؑ بیتِ نبیؐ ، تابعیںؒ و صحابہؓ پہ جب آ بنی
سب نے سجدے میں گر کر یہی عرض کی، تُو نہیں ہے تو مُشکل کُشا کون ہے

لفظِ صبر و سماحت پر شیخِ محقّق دہلویؒ کی تحقیق

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ جو لوگ واستعینوا بالصبر والصّلوۃ کا حوالہ دے کر غیر اللہ سے مدد مانگنے کا استدلال کرتے ہیں، وہ بوجوہ غلطی پر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید کی اِس آیت میں صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا حکم دے رہا ہے تو غیر اللہ سے استعانت جائز ٹھہری۔ کیونکہ صبر اور نماز شریعت میں جس بُلند درجہ کے عمل بھی ہوں، بہر حال اللہ تو نہیں ہو سکتے۔ اِن سے مدد مانگنے کا مطلب یہ نکلا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا بھی جائز ہے۔ ہم اِس سلسلے میں اپنی طرف سے کچھ بھی کہنا نہیں چاہتے۔ صرف ایک ایسی شخصیّت کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتے ہیں، جسے اہلِ سُنّت شیخ علی الاطلاق کے لقب سے یاد

کرتے اور اُن کی تحقیق کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں۔ میری مُراد حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی ذاتِ عالیہ ہے۔ آپ ایک حدیث پر تبصرہ کے دوران لفظِ صبر و سماحت کے متعلّق حضرت امام حسن بصریؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت ما الایمان قال الصبر والسّماحۃ۔ گفتہ اند محصّل تمامۂ خصالِ ایمان صبر و سماحت است اوّل اشارت است بترکِ منہیّات و ثانی مأمورات چناں کہ تفسیر کردہ است امام حسن بصری رضی اللہ عنہ بقولِ خود الصّبرعن معصیۃِ اللّٰہ والسماحۃ علٰی اداءِ فرائضِ اللّٰہ۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اشعۃ اللّمعات فارسی، ص 76، کتاب الایمان، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

یاد رہے کہ حضرت شاہ عبدالحق دہلویؒ اور امام حسن بصریؒ کے نزدیک صبر کے معنٰی اللہ تعالٰی کی نافرمانی سے رکنے کے ہیں اور سماحت کے معنٰی اللہ تعالٰی کے فرائض کی ادائیگی کے ہیں۔ اب مفہومِ صبر یہ نکلا کہ جس نے صبر کیا اُس نے اللہ تعالٰی کی نافرمانی سے خود کو باز رکھا اور اللہ تعالٰی کی نافرمانی سے باز رہنے کے لئے انسان کو براہِ راست اللہ تعالٰی ہی سے مدد مانگنا پڑے گی نہ کہ کسی عمل، کیفیّت یا شخصیّت سے۔ کیونکہ صبر زیادہ سے زیادہ ایک عمل یا کیفیّت ہی کا نام ہو سکتا ہے۔ کوئی کیفیّت یا کوئی عمل بذاتِ خود کسی کو کیا مدد دے سکتا ہے۔ اگر بالفرض صبر و صلوٰۃ کو ایک عمل یا ایک کیفیّت ہی سے تعبیر کیا جائے تو پھر بھی اُس میں اثر پیدا کرنا اور اُس عمل یا کیفیّت کو مؤثّر بنانا اللہ تعالٰی کے سوا کسی کے بس کا روگ نہیں نہ صبر کا اور نہ نماز کا۔ یہی مفہوم اِنّ الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاءِ والمُنکر کا ہے۔ کہ نماز اگرچہ کوئی ایسی جاندار یا باشعور مخلوق نہیں کہ وہ کسی نمازی کو بُرے کاموں سے روک سکے۔ مگر جب ایک بندہ نماز کے عمل میں مشغول ہو جاتا ہے تو اُس کو بااثر اور باکیف بنانا یا نہ بنانا معبودِ حقیقی کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کی نمازوں میں مؤثّرِ حقیقی اثر پیدا نہیں کرتا، وہ پانچ وقت کی نمازوں میں مشغول رہنے کے باوصف بھی فواحش اور منکرات

کے ارتکاب میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ معلوم ہُوا کہ استعانت بالصّبرو الصلوٰۃ میں اسناد مجازی ہے، حقیقی ہرگز نہیں اور یہی ہماری تحقیق ومنشاء ہے۔

نیز تفسیرِ جلالین سے بھی ذکر ہُوا کہ صبر روزہ کانام ہے۔ تفسیرِ کبیر میں بھی ایسا ہے کہ

المرادمن الصبر ھٰهُنا هوالصوم لان الصائم صابر عن الطعام والشراب ومن حبس نفسهٗ عن قضاء شهوة البطن والفرج زالت عنه كدورات حب الدّنيا......الخ

ترجمہ: یہاں صبر سے مُراد روزہ ہے، کیونکہ روزہ دار اپنے آپ کو کھانے پینے سے روک رکھتا ہے لہٰذا جس شخص نے اپنے آپ کو پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات سے روک کر قابو پا لیا اُس کے دل سے دُنیا کی محبّت کی مَیل کچیل زائل ہو جائے گی، اور پھر اِس حالت میں جب انسان بارگاہِ ایزدی میں ادائیگیٔ نماز کے لئے حاضر ہوگا تو اُس کے دل و دماغ میں یقیناً انوار و تجلّیاتِ رحمانیہ چمکنے لگیں گے۔

لہٰذا دیکھو، صبر اور نماز دونوں کی انتہاء بارگاہِ خُداوندی میں ہوتی ہے، کیا یہاں استعانت بغیر اللہ ہوئی یا قلب و نظر کی صفائی کے لئے ؟ یا ذکرِ خُدا اور اطاعتِ باری تعالیٰ کا سُرمہ آنکھوں میں ڈال کر ینظر بنور اللّٰه تعالٰی کے مقام پر فائز ہونا ہُوا ؟

بعض معترضین اِس موضوع پر درجِ ذیل آیۂ کریمہ سے اکثر استدلال کرتے نظر آتے ہیں۔

وتعاونُوا عَلَى البِرّ وَالتّقوٰىؕ وَلَاتعاونُوا على الاثمِ والعُدوَانِؕ

ترجمہ: اور تم نیکی اور تقوٰی پر ایک دُوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور ظلم میں ایک دُوسرے کی مدد نہ کرو۔

کہتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے خود حکم دیا ہے کہ بندے، بندوں کی مدد کریں۔ لہٰذا جب بندے، بندوں کی مدد کر سکتے ہیں اور مدد کے لئے کہتے ہیں تو اُن سے مدد بھی طلب کی جا سکتی ہے۔

معترض کا استدلال بوُجوہِ ذیل غلط ہے

یہ استدلال متعدّد وجوہ کی بنیاد پر غلط ہے' چاہے مستدل (استدلال کرنے والا) کسے باشد۔

وجہِ اوّل: تعاوَنُوا بابِ تفاعل ہے جو طرفین سے تعاون کا تقاضا کرتا ہے، یعنی ایک شخص دُوسرے سے اور دُوسرا پہلے سے برابر تعاون کرے۔ جبکہ استمداد و استغاثہ میں جن بزرگانِ دین سے مدد اور تعاون طلب کیا جاتا ہے تو طلب کرنے والا اُن سے کیا تعاون کر رہا ہوتا ہے؟ وصال یافتہ بزرگوں کے متعلّق تو یہ کہہ کر جان چھڑالی جائے گی کہ ہم اُن کی رُوح کو ایصالِ ثواب کر کے اُن سے تعاون کرتے ہیں اور یُوں وہ ہماری عقدہ کشائی کر کے ہم سے تعاون فرماتے ہیں۔ اگرچہ یہ جواب بھی نہایت کمزور ہے' جبکہ ایصالِ ثواب کے لئے ثواب بھیجنے والا فقط بھیج سکتا ہے' پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ اِسی لئے ایصالِ ثواب کے مروّجہ طریقہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التماس کرتے ہیں کہ اے اللہ! تُو اِس کلام یا طعام کا ثواب فلاں بزرگ کو عطا فرما۔ پس جو ثواب پہنچانے والا ہے، جس ذات سے وہ بزرگ کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے لئے درخواست کر رہا ہے کیا یہ بہتر نہیں کہ مدد بھی اُسی ذاتِ قادر و غالب سے مانگے یا پھر زیادہ سے زیادہ اُس کی بارگاہ میں بزرگوں کا وسیلہ پیش کرنے پر اکتفا کرے۔ یا پھر بزرگوں کو ندا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی کو پُکار کر کہے کہ ثواب اپنے فلاں نیک بندے کی رُوح کو پہنچا اور میری تکلیف کی خبر بھی دے اور اُسے میرے حال پر متوجّہ بھی فرما، تاکہ وہ تیری عطا کردہ مہربانی سے میری تکلیف دُور ہونے کا سبب بنے۔ بہرکیف پھر بھی وصال یافتہ بزرگ کے متعلّق تو استدلال کرنے والوں کا یہ تُکّہ کسی نہ کسی حد تک کمزور حیثیّت سے چل ہی جائے گا، مگر زندہ بزرگوں سے یہ کیسا تعاون کر کے اُن سے تعاون لیں گے۔ اور پھر وہ بھی دُور سے پُکار کر' ندا دے کر اور استغاثہ و فریاد کر کے۔ ضَعُفَ الطّالِبُ وَالمَطلُوبُ۔ یا پھر ماننا پڑے گا کہ یہ باہمی تعاون دُعا گوئی و دُعا جوئی کا ہے کہ ہم بزرگوں کی ترقّیٔ درجات کے لئے

دُعا کریں اور وہ ہماری بخشش و مغفرت کے لئے۔ پھر بھی تو گھوم پھر کر بات وہیں آ ٹھہرے گی کہ اللہ ہی سے سب کچھ عرض کیا جاتا ہے کیونکہ دُعا تو اُسی سے کی جاتی ہے جس کا نام اللہ جلّ جلالہٗ ہے۔

وجہِ ثانی: مندرجہ بالا کلماتِ قرآنیہ جس آیۂ کریمہ کا حصّہ ہیں، اُس میں اوّل سے آخر تک کہیں بھی اِس نوعیّت کے تعاون کا ذکر نہیں، جو رُوحانی اور مافوق الاسباب ہو، بلکہ اِس سے دینی اور دُنیوی معاملات میں اسباب کے تحت تعاون مُراد ہے۔ پُوری آیت کو پڑھ کر آپ زور لگالیں کہیں سے بھی ندا، استمداد اور استغاثہ کا مفہوم نہیں نکلتا۔ بلکہ اگلا حصّہ وَلَاتعاوَنُوا علی الاثم وَالعُدوان تو مزید وضاحت کر رہا ہے کہ جن کاموں میں اللہ کی رضا اور ثواب حاصل ہونے کی اُمّید ہے اُن میں ایک دُوسرے سے مدد کرکے اور مِل جُل کر وہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ اور اگر ظلم، گناہ اور برائی کا کام کسی شخص نے شروع کیا اور اُس میں اُس نے تم سے تعاون لینا چاہا تو ہرگز تعاون نہ کرو، بلکہ اُسے روکو۔ مزید برآں ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکو! یہ روکنا ہی تمہارا اُس کے ساتھ تعاون ہے۔

لفظِ برّ کی توضیح و تشریح

وجہِ ثالث: آیت متدلّہ مندرجہ بالا میں تعاون کرنے کے لئے دو باتیں بیان کی گئی ہیں نمبر 1 بِرّ نمبر 2 تقوٰی۔ تقوٰی کا لفظ نہایت ہی مشہور و معروف ہے، جس کی تشریح مزید کرنا ضروری نہیں، البتّہ لفظِ بِرّ کی توضیح و تشریح ہم ذرا تفصیلاً کرتے ہیں، تاکہ معترض کے اعتراض کی دھجیّاں فضائے بسیط میں بکھر جائیں اور یُوں بھی بِرّ اور تقوٰی قریب المفہوم اور تقریبًا لازم و ملزوم ہیں۔ ہم بِرّ کی تشریح کے لئے آیاتِ قرآنیہ سے مدد لیتے ہیں، تحقیق ملاحظہ ہو۔ آیت نمبر1۔ لیسَ البرَّ ان تُولّوا وُجوھَکُم قِبَلَ المَشرِقِ وَالمغربِ ولکنّ البِرَّ مَن اٰمَنَ باللّٰہِ والیومِ الآخر...... الاٰیۃ (سورۂ بقرۃ، آیت 177)

ترجمہ:(اصل) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے مُنہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو، لیکن (اصل) نیکی اُس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یومِ آخرت، اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے اپنی محبّت کے باوجود (اللہ کے حکم سے) رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں اور غلام آزاد کرانے کے لئے خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے، اور اپنے عہد کو پُورا کرنے والے جب وہ عہد کریں، اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے، یہی سچّے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں۔

آیتِ محوّلہ بالا کے شانِ نزول کے متعلّق اقوال

1- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی، یعنی نیکی صرف یہی نہیں کہ تم نماز پڑھ لو اور اِس کے سوا اور کوئی نیک عمل نہ کرو۔

2- قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف، اِس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ صرف مشرق یا مغرب کی طرف مُنہ کر لینا کوئی نیکی نہیں۔

3- ایک اور سند کے ساتھ قتادہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے نیکی کے متعلّق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، نبی ﷺ نے اُس شخص کو بلایا اور اُس پر یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرائض کے نازل ہونے سے پہلے جب کوئی شخص توحید و رسالت کی گواہی دیتا تو اُس کے حق میں خیر کی توقّع کی جاتی تھی۔

(جامع البیان، ج27، ص56,55، مطبوعہ بیروت)

ثابت ہُوا کہ بِرّ یعنی نیکی کا حاصل کرنا سب کیلئے ضروری ہے، انبیاء و مُرسلین علیہم السّلام ساری مخلوق سے اِس میں سبقت لے جانے والے ہیں، پھر اولیائے کاملین و صالحین، لیکن اِس سے مستثنیٰ کوئی نہیں، بلکہ والصّٰبرین فی البأسآءِ وَالضّرّآء (اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے

والے) کے بارے دو اقوال کُتبِ تفسیر میں مِلتے ہیں۔ (1) آیت انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ اُن کے سوا کوئی بھی پُوری طرح اِس آیت پر عمل نہیں کرسکتا۔ (2) یہ آیت تمام لوگوں کے حق میں عام ہے، کیونکہ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمومی خطاب فرمایا ہے۔ جب کسی ناگہانی مصیبت سے آدمی فقر میں مبتلا ہو جائے یا مرض طاری ہو جائے یا اپنے بچّوں کی موت سے غم میں مبتلا ہو جائے یا معرکۂ جہاد میں شدّت اور تکلیف میں گھر جائے تو اِن حالات میں صبر کرنا نصفِ ایمان ہے، کیونکہ صبر کرنا اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شخص قضاء و قدر پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی اُمّید رکھتا ہے۔ (تبیان القرآن، ج 1، ص 177)

پہلے قول کی روشنی میں بِرّ حاصل کرنے والے، مقامِ بِرّ پر فائز ہونے والے یا حصولِ بِرّ میں کوشش کرنے والے ہی انبیاء علیہم السّلام ٹھہرے تو جب وہ خود بِرّ کے متلاشی ہیں تم بِرّ کا خود ساختہ معنیٰ لے کر اُن سے استغاثہ و استعانت کے لئے اِس آیت میں کیوں کھینچا تانی کرتے ہو؟

دُوسرے قول کی روشنی میں عام مؤمن کی شان یہی ہے کہ دُکھ اور سختی میں صبر کرے تاکہ قضاء و قدر پر اُس کا ایمان ثابت ہو، نہ یہ کہ وہ جزع و فزع کرے اور اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے کبھی کسی کو پُکارے اور کبھی کسی کو، بلکہ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتے ہوئے صبر کرے اور اُس سے اجر و ثواب کی اُمّید رکھے۔ یہاں تک کہ وہ الفاظ کے ذریعے حقیقی معین و نصیر، حقیقی داتا اور مُشکل کُشا کو بھی پُکارنا شانِ صبر کے خلاف سمجھتے ہیں اور اندر ہی اندر خاموشی کو ذریعۂ التماس بناتے ہوئے بقولِ راقم الحروف الفاظ کا سہارا لے کر فریاد کرنے والوں سے کہتے ہیں۔

میرا مالک مری سُن رہا ہے فُغاں، جانتا ہے وہ خاموشیوں کی زباں
اب مری راہ میں کوئی حائل نہ ہو، نامہ بر کیا بلا ہے، صبا کون ہے

آیت نمبر 2 یسئلونك عَن الأهلّة ط قل هِیَ مواقیتُ لِلنّاس والحجِّ ط وَلیسَ البرُّ بأن تأتوا البُیُوتَ من ظُهورِهَا وُلکنّ البِرّمَنِ اتّقٰی ج وَأتوا البیوتَ مِن اَبوابِهَا ص وَاتّقوا اللّٰهَ لعلّکم تُفلِحُون۔ ترجمہ: لوگ آپؐ سے ہلال (پہلی تاریخ کے

چاند) کے متعلّق دریافت کرتے ہیں، آپ کہئے اِس میں لوگوں کے (دینی و دُنیوی) کاموں اور حج کے اوقات کی نشانیاں ہیں اور یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے داخل ہو۔ لیکن (حقیقت میں) نیکی اُس شخص کی ہے، جو تقوٰی اختیار کرے اور گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہو، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۔

لوگ آپؐ سے چاند کے گھٹنے، بڑھنے کی کیفیت اور اُس کی ماہیت کے متعلّق سوال کرتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ چاند کبھی باریک لکیر کی طرح نظر آتا ہے، کبھی موٹی لکیر کی طرح، کبھی آدھا اور کبھی پُورا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ اِس میں تمہارے دین اور دُنیا کے کاموں اور خصوصًا حج کے اوقات کی نشانیاں ہیں اور اِس جواب سے اِس امر پر متنبہ کیا کہ چاند کے گھٹنے، بڑھنے سے تمہارے دینی اور دُنیوی کاموں کی جو غرض متعلّق ہوتی ہے، تمہیں صرف اُسی سے سروکار رکھنا چاہئے، باقی رہا کبھی چاند کا آدھا اور کبھی پُورا نظر آنا اِس کا تعلّق علمِ ہیئت، علمِ نجوم اور علم الافلاک سے ہے اور نبی کا منصب احکامِ شرعیہ بیان کرنا ہے، علمِ توقیت کے احکام بیان کرنا نہ تو نبی کا منصب ہے اور نہ اُس پر ضروری ہے۔

(جامع البیان، ج2، ص108، مطبوعہ بیروت)

نیکی کی حقیقت

اِسی مقام پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار جب حج کر کے لوٹتے تو گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پیچھے سے داخل ہوتے تھے۔ ایک انصاری حج کے بعد گھر میں دروازہ سے داخل ہُوا تو لوگوں نے اُس کو ملامت کی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ گھروں میں پیچھے سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے، حقیقت میں نیکی خوفِ خُدا سے گناہوں کو ترک کرنا ہے۔ معلوم ہُوا کہ نیکی کی حقیقت یہی ہے کہ خوفِ خُدا اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو تقوٰی کے لباس سے ملبوس کر کے، زہد اور پرہیزگاری کا دامن تھامتے ہوئے اُنہی طریقوں کے مطابق عبادت کی جائے، جو شرعًا منقول

اور ثابت ہیں۔یہی بِرّ ہے اور اِس میں ایک دُوسرے کا تعاون کرنا یہی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کوئی ایسا اچّھا کام شروع کرے، مگر کسی وجہ سے اُس سے وہ کام پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکے تو تم اپنے وسائل و اسباب بروئے کار لاتے ہوئے اُس کام کی تکمیل میں اُس سے تعاون کرو۔

قولِ فیصل:

یہاں آیتِ محوّلہ بالا میں ایک بات قابلِ غور ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی عقل سے عبادت کے طور طریقے وضع کرنا جائز نہیں۔ لوگ اپنی عقل سے عبادت کے طریقے گھڑ لیتے ہیں اور اُنہیں شریعت کا نام اور مقام دے دیتے ہیں، پھر اُس کی تائید میں دلائلِ شرعیہ تلاش اور پیش کرتے ہیں اور جو اُن کے بنائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت نہ کرے اُس کو لعنت ملامت کرتے ہیں،اِسی کا نام احداث فی الدّین اور بدعتِ سیّئہ ہے۔عبادت صرف اُسی طریقہ سے کرنا چاہیئے جس طریقہ سے حضور علیہ السّلام نے عبادت کی ہے، یا جس طرح آپؐ نے ہدایت اور اجازت دی ہے اور صحابۂ کرام کا اُس پر عمل رہا ہے۔ اپنے وضع کردہ طریقۂ عبادت پر میڈ اِن مدینہ (Made in Madina) یا میڈ اِن مکّہ (Made in Makkah) کی مُہر لگانا یا پھر کم از کم میڈ ایز مکّہ و مدینہ (Made as Makahh/ Madina) کا لیبل چسپاں کرنا اور پھر اُس سے اختلاف کرنے والوں کو گستاخ، بے دین اور مردُود کہنا، کہاں کی دانشمندی اور کیسی خدمتِ دین ہے؟ اِسی وجہ سے آج مسلکی انتشار نے عالمگیر فتنے کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اگر فقیر کے اِن چند کلمات پر جو خالصتاً لوجہِ اللّٰہ کہے ہیں غور و فکر کیا جائے تو دیوبندی، بریلوی جھگڑا کافی حد تک کم ہوسکتا ہے۔

آیت نمبر 3- لن تنالُوا البِرَّ حتّٰی تُنفقُوا ممّا تُحبّون۔ ترجمہ: تم ہرگز خیر (بھلائی) کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خُدا میں اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہیں کرتے۔ اِس آیت میں مذکورہ لفظِ بِرّ کی وضاحت اور تشریح کے لئے متعدّد کُتبِ تفسیر کی عبارات ملاحظہ ہوں۔

1- (لن تنالوا البرّ) ای ثوابُهٗ وهوالجنّةُ ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے یعنی نیکی کا ثواب حاصل نہ کر سکو گے جو کہ جنّت ہے۔ (جلالین)

2- (لن تنالوا البرّ) ای لن تبلغوا حقیقتة البرّ الّذی هُوکمال الخیر أولن تنالُوا برّ اللّٰه الّذی هوالرّحمة والرضٰی وَالجنّة ترجمہ: یعنی تم نیکی کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے اور نیکی کے معنٰی ہیں کمال خیر (اعلٰی درجہ کی بھلائی) یا پھر تم اللہ تعالٰی کی بھلائی کو نہیں پا سکتے اور وہ کیا ہے اللہ کی رحمت، اُس کی رضامندی اور جنّت۔ (بیضاوی)

3- (لن تنالوا البرّ) یعنی ماعند اللّٰه من الثّواب والکرامة والجنّة حتّٰی تنفقوا ممّا تحبّونَ من المالِ ویقال لن تنالوا البرّ ای لن تبلغوا الی التوکّل والتّقوٰی ترجمہ: یعنی جو کچھ اللہ کے پاس ثواب اور عزّت اور جنّت ہے تم نہیں پا سکتے، جب تک کہ وہ کچھ خرچ نہ کرو، جو تم پسند کرتے ہو اپنے مال میں سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم ہرگز توکّل اور تقوٰی کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر ابنِ عبّاسؓ)

4- قولهٗ عزّ و جلّ (لن تنالُوا البرّ) قال ابن عبّاس یعنی الجنّة وقیل البرّهو التقوٰی و قیل هوا لطّاعة و قیل معناه لن تنالُوا حقیقة البرّ ولن تکونوا ابرارًا حتّی تنفقوا ممّا تحبّونَ و قیل معنٰی۔ لن تنالُوا بِرّاللّٰه وهو ثوابه واصل البرّ التّوسُّع فی فعل الخیر یقال برّ العبدربّهٗ أی توسّع فی طاعتهٖ فالبرّ من اللّٰه الثّواب ومن العبد الطاعة وقد یُستعمل فی الصّدق و حُسن الخلق لانّهما من الخیر المتوسع فیه (ق) عن عبداللّٰه بن مسعود قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآلهٖ وسلّم اِن الصّدق یهدی الی البرّ وانّ البرّ یهدی الی الجنّةِ وان الرّجل لیصدق حتّی یکتب عند اللّٰه صدیقًا وانّ الکذب یهدی الی الفجور وانّ الفجورَ یهدی اِلی النّار وانّ الرّجُلَ لیکذب حتّی یکتب عنداللّٰهِ کذّابًا (م) عن النّواس بن سهان قال سالت رسول اللّٰه

صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم عن البرّ والاثم فقال البرّ حُسن الخلق والاثم ماحاكَ فی صدرِكَ و کرهتَ ان یطلع علیہ النّاس مِنكَ فعلٰی ھذا یکون المعنٰی علیکم بالاعمالِ الصّالحۃ حتّٰی تکونُوا أبرارًا وتدخلُوا فی زمرۃ الابرارِ وَمن قالَ اِنّ لفظ البرّ هُوالجنّۃ فقال معنی الآیۃ لن تنالُوا ثواب البرّ المؤدی الی الجنۃ (حتی تنفقوا مما تحبون) یعنی من جیدأموالکم وأنفسِکم عندکم۔ ترجمہ: حضرت ابنِ عبّاسؓ نے فرمایا کہ بِرّ سے مُراد جنّت ہے اور دیگر اقوال درجِ ذیل ہیں۔

1- تقوٰی 2- طاعت 3- تم بِرّ کی حقیقت کو نہیں پا سکتے، یعنی تم نیک نہیں بن سکتے، جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو۔

4- تم اللہ کی طرف سے بِرّ کو نہیں پا سکتے اور وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ثواب ہے اور بِرّ کی اصلیت یہ ہے کہ بھلائی کے کاموں میں وُسعت اختیار کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بندے نے اپنے رَبّ سے نیکی کی، یعنی اُس کی فرمانبرداری میں وُسعت اختیار کی، پس ثابت ہُوا کہ بِرّ کا معنٰی اللہ کی طرف سے بندے کو ثواب کا مِلنا اور بندے کے طرف سے اللہ کی فرمانبرداری کرنا اور لفظِ بِرّ کبھی صدق اور حُسنِ خُلق کے معانی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی نیکی کی وُسعت میں آتی ہیں۔

روایت: حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنّت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں سچا لکھا جاتا ہے۔ اور بیشک جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف۔ ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں اُسے جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ نیز حضرت نواس بن سمانؓ سے روایت ہے، اُنھوں نے کہا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بِرّ اور اِثم (نیکی اور گناہ) کے بارے پُوچھا،

پس آپ نے ارشاد فرمایا کہ نیکی تو حُسنِ خُلق کا نام ہے اور گناہ وہ کام ہے، جو تیرے دل میں کھٹکے اور تُو اُس چیز کو ناپسند کرے کہ لوگ تیرے اِس کام پر مطّلع ہوں۔ پس ثابت ہُوا کہ بِرّ کے معنٰی ہیں اعمالِ صالحہ اور اعمالِ صالحہ جنّت میں جانے کا سبب بنتے ہیں۔ تو آیت کے معنٰی یہ ہوئے کہ تم ہرگز اُس ثواب کو نہیں پا سکتے جو جنّت کی طرف لے جاتا ہے، جب تک تم اپنے خالص مال اور پاکیزہ جان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ (تفسیر الخازن)

5- (والبرّ) الاحسانُ وکمال الخیر، وبعضهم یفرّق بینهٗ و بین الخیر بانّ البرّ هوالنّفع الواصل اِلی الغیر مع القصد اِلٰی ذٰلِك، والخیر هوالنّفع مطلقًا واِن وقعَ سهوًا، وضدّ البر العقوق وضدّ الخیر الشّر واخرج ابن جریر عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه تفسیر البرّ بالجنّة، وروی مثلهٗ عن مسروق والسّدی وعمرو بن میمون، وذهب بعضهم الٰی انّ الکلام علٰی حذف مضاف أی. لن تنالُوا ثوابَ البرّ۔ ترجمہ: بِرّ کے معنٰی ہیں احسان اور کمال درجے کی خیر کے اور کچھ علماء نے بِرّ اور خیر کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ بِرّ وہ نفع ہے جو کوئی شخص کسی کو پہنچائے اُس کو نفع پہنچانے کے ارادے سے۔ اور خیر وہ مطلق نفع ہے جو کسی کو غیر ارادی طور پر بھی کسی سے حاصل ہو۔ بِرّ کا متضاد عقوق ہے، جبکہ خیر کا متضاد شَر ہے۔ ابنِ جریرؒ نے ابنِ مسعودؓ سے بِرّ کی تفسیر جنّت بیان کی ہے۔ اور اِسی کی مثل مسروق، سُدی اور عمرو بن میمون سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں کلام مضاف کے حذف کے طور پر لایا گیا ہے۔ یعنی اصل میں آیت یوں تھی لن تنالوا ثواب البِرّ۔ (رُوح المعانی)

6- (لن تنالُو البرّ) أی برّاللّٰهِ رحمتهٗ ورضوانهٗ ترجمہ: یعنی تم اللہ کی طرف سے بِرّ اُس کی رحمت اور اُس کی رضامندی کو نہیں پا سکتے۔ (تبصیر الرّحمٰن)

تفسیرِ کبیر میں بِرّ کی تفصیلی بحث کا خلاصہ: 7- تفسیرِ کبیر میں چند صفحات پر پھیلی ہوئی بِرّ کی بحث کا خلاصہ درجِ ذیل ہے، جس سے بِرّ کی مُراد اور مصداق کا پتہ چلتا ہے۔

فذکرَفی ھٰذہ الاٰیة اکثر اعمالِ الخیروسمّاہ البرّ...... والمعنٰی انّکم وأن أوتیتم بکلّ تلك الخیرات المذکورة فی تلك الآیة فانکم لَاتفوزون بفضیلة البرّ حتّٰی تنفِقُوا ممّا تحبّون...... فیکون المراد بالبر مایحصل منھم من الاعمال المقبولة...... الثواب، الجنّة...... قال البر ھوالتّقوٰی...... وقال ابوذر انّ البرّ ھوالخیر۔ ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں بہت سے اعمالِ خیر کا ذکر فرمایا اور اُن کا نام رکھا بِرّ......اور اِس کے معنٰی یہ بنتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سی بھلائیاں دیئے گئے ہو، مگر تم کامیابی پر فائز نہیں ہو سکتے، تاوقتیکہ تم اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو...... پس یہاں بِرّ سے مُراد وہ انعام ہے، جو بندے کو اعمالِ صالحہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے...... اور وہ انعام ثواب بھی ہے اور جنّت بھی...... ایک قول یہ بھی ہے کہ بِرّ سے مُراد تقوٰی ہے، جبکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ بِرّ خیر کا دُوسرا نام ہے۔ (تفسیرِ کبیر، جلد 8، ص134,133)

8- لن تبلغوا حقیقة البرّ أولن تکونوا الأبرار أولن تنالُوا من اللّٰہ الاحسان و ثوابہٗ ورحمتہٗ و رضاہٗ والجنّة۔ ترجمہ:تم ہرگز نیکی کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے اور نہ تم نیک بن سکتے ہو، یا یہ مفہوم ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان، ثواب، اُس کی رحمت و رضامندی اور جنّت کو نہیں پا سکتے۔ (رُوح البیان)

9- (البرّ) کلمة جامعة لوجوہ الخیر والمُراد بھا ھُناالجنّة...... أی لن تکونوا من الابرار ولن تدرِکوا الجنّة حتّی تنفقُوا من افضلِ اموالِکم ترجمہ: لفظِ "بِرّ" ایک ایسا جامع کلمہ ہے، جو تمام خیر کے اسباب کو شامل ہے اور یہاں اس سے مُراد جنّت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ تم ہرگز نیک نہیں بن سکتے اور نہ جنّت کو پا سکتے ہو یہاں تک کہ تم اپنا بہترین مال خرچ نہ کرو۔ (صفوة التفاسیر للشیخ الصابونی)

10-(لن تنالُوا البرّ حتّی تنفقُوا) ہرگز نیابید نیکوئی و بدانچہ می طلبید از خیر نرسید یا نیابید بہشت راتا آنکہ نفقہ کنید و صدقہ دہید (ممّا تحبّون) از آنچہ دوست میدارید

از مال کہ بہ فقراء تصدّق نمائید یا جاہ کہ بداں معاونتِ درماندگان کنید یا بدن کہ قوّتِ آنرا بطاعت مبذول سازید یا دل کہ آنرا وقف محبّتِ الٰہی گردانید یا جان کہ آنرا در راہ رضائے حق در بازید یا سر کہ آنرا از ادناسِ تعلّق بماسوی اللہ پردازید۔ ترجمہ: ہرگز نہیں پا سکتے تم نیکی اور ہر وہ خیر یا بہشت، جو تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے طلب کرتے ہو، یہاں تک کہ تم خرچ کرو اور صدقہ دو فقراء کو، اُس مال سے جسے تم پسند کرتے ہو، یا پھر اُس مال سے کمزوروں کی مدد کرو یا اپنی قوّتِ جسمانی کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرو یا دل کو محبّتِ الٰہی کے لئے وقف کردو یا اپنی جان کو رضائے حق کے لئے اُس کی راہ میں لُٹادو یا اپنے سَر کو غیرُ اللہ کے آگے جُھکنے سے بچا کر صرف بارگاہِ ایزدی میں جُھکادو۔ (تفسیرِ حسینی)

اِن تمام مندرجہ بالا عباراتِ کُتبِ تفسیر سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی کہ وتعاونُوا علی البرّ والتّقوٰی سے ہرگز مافوق الاسباب اعانت یا استمداد و استعانت مُراد نہیں، بلکہ وہ کام مُراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا، ثواب اور جنّت کی اُمّید ہو، وہ کرو بھی سہی اور اگر کسی کو کرتا دیکھو تو حتّی الوسع اُس کے ساتھ معاونت بھی کرو، تاکہ تم بھی ثواب کے مستحق بن سکو۔ ورنہ پھر ولَاتعاونوا علی الاثمِ وَالعُدوان کا مفہوم متعیّن کرنے میں سخت دُشواری پیش آئے گی۔ لہٰذا معترضین کو آیتِ مندرجہ بالا اپنے موقف کی تائید میں پیش کرنے سے پہلے بِرّ اور تقوٰی کے مصادیق پر نظر ضرور ڈال لینا چاہیئے۔

کچھ معترضین کی طرف سے یہ آیت بھی پیش کی جاتی ہے یآایھاالّذین اٰمنوا کونوا انصار اللّٰہ ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔ معترضین کا آیتِ محوّلہ بالا سے طرزِ استدلال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں سے اپنے لئے مدد مانگ رہا ہے، تو پھر بندوں کا نیک بندوں سے مدد مانگنا کیوں کر شرک ہے؟

جواباً گزارش ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے مجبوری اور عجز کی حالت میں بندوں سے مدد مانگی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر یہ کُفر ہے۔ اور کیا یہ مدد مافوق الاسباب اور اُسی نوعیّت کی ہے، جو مدد

معترضین حضرات اولیاء و عبادِ صالحین سے مانگتے ہیں، بلکہ اہلِ تحقیق کے نزدیک لفظِ اللہ کا مضاف محذوف ہے، یعنی اصل میں تھا کونوا انصارَ دینِ اللّٰه ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار و معاون بن جاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا فرمان من انصاری الٰی اللّٰه اور آپ کے حواریوں کا نحن انصار اللّٰه کہنا بھی اِسی قبیل سے ہے۔ علاوہ ازیں جتنی آیات بھی معترضین حضرات اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں، اُن سب میں ماتحت الاسباب اور اُمورِ دینی و دُنیوی میں مدد کرنا یا مدد مانگنا مُراد ہے۔ ہاں یاد آیا ہمارے مہربان سورۂ تحریم کی ایک آیت اکثر پیش کرتے نظر آتے ہیں اور وہ ہے۔

فان اللّٰه هو مولاه وجبريل و صالح المؤمنين والملائكة بعد ذٰلك ظهير۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اُن (حضور علیہ السّلام) کا مددگار ہے اور جبریلؑ اور نیک ایمان والے اور اُس کے بعد فرشتے مددپر ہیں۔ اِس آیت سے اپنا پسندِ طبع مطلب نکالنے کے لئے معترضین یُوں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں "اگر غیرُ اللّٰه سے ہر قسم کی استعانت شرک ہوتی تو اللہ تعالیٰ یُوں ہرگز نہ فرماتا کہ حضور علیہ السّلام کے جبریلؑ، مُتّقی مسلمان اور فرشتے مددگار ہیں"۔

قارئینِ کرام! خدارا انصاف فرمائیے، اب تک تو یہی شور مچایا جاتا تھا کہ رسولِ اکرمؐ اپنی اُمّت کے ہر حال اور ہر معاملے میں مددگار ہیں، لیکن اب یہ اعتراف بھی کر لیا گیا کہ اُمّتی بھی اپنے رسول کی مدد کر سکتے ہیں۔ کیا یہ دونوں قسم کی مددیں ایک ہی قسم کی ہیں؟ یا پھر اِس آیت میں مذکور لفظِ مولیٰ جو کثیر المعانی ہے کے یہاں ایک ہی معنیٰ مُراد ہیں، جس انداز سے اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ مجتبیٰ کا مددگار ہے، یا پھر اُسی کے اِذن سے جبریلؑ اور ملائکہ رسول کی مدد کرتے ہیں، کیا مومن اُمّتی اُسی انداز سے اور وہی مدد اپنے رسول کی کرتے ہیں؟ اُمید ہے اِن پیدا شُدہ سوالات کے جواب کے لئے معترضین حضرات ضرور زحمت فرمائیں گے۔

اِسی طرح ہمارے مہربان مشکوٰۃ شریف کی ایک اور حدیث بھی اپنے موقف کی تائید کے لئے ڈھونڈ لاتے ہیں، جس کا متن، ترجمہ اور اِس سے استدلال کچھ یُوں ہے۔ عن ربیعة

بن کعب ابیت مع رسول اللّٰہ ﷺ فاتیته بوضوئه وحاجته فقال لی سَلُ فقلت اَسئلُك مرافقتك فی الجنّة قال او غیر ذٰلك قلت هو ذاك۔ قال فاَعِنّي علٰی نفسك بکثرة السّجود۔ ترجمہ: ربیعہ بن کعبؓ بیان کرتے ہیں، اُنھوں نے کہا مَیں نے نبی کریمؐ کے ساتھ ایک رات گزاری، پس مَیں آپ علیہ السّلام کے لئے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لے کر حاضر ہُوا۔ آپ نے فرمایا: مانگ! مَیں نے عرض کی میں آپ سے جنّت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: اِس کے سوا اور کچھ؟ مَیں نے کہا میرا مدّعا یہی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم کثرتِ سجود سے میری مدد کرو۔ (تاکہ تم جنّت میں میری رفاقت پاسکو)

حدیث سَلُ کے بارے شیخ عبدالحق دہلویؒ اور ملّا علی قاریؒ کی تشریح

اِس حدیثِ پاک کی تشریح میں شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اشعّة اللّمعات میں یُوں تحریر فرماتے ہیں "از اطلاق سوال کہ فرمود سَلُ بخواہ و تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمّت و کرامتِ اُوست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہرچہ خواہد ہر کہ را خواہد باذنِ پروردگار خود بدہد"۔ ترجمہ: حضورِ اکرم ﷺ نے مطلقاً فرمایا، مانگو، اور مطلوبِ خاص کے ساتھ مقیّد نہ کیا۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ تمام چیزیں آپ علیہ الصّلوٰۃ السّلام کے ہاتھ میں ہیں، جیسے چاہیں اور جسے چاہیں، اللہ تعالیٰ کے اِذن سے عطا فرماتے ہیں۔

ملّا علی قاریؒ اِس مقام پر علّامہ ابنِ حجرؒ کی عبارت نقل کرتے ہیں "ویوخذ من اطلاقه علیه السّلام الامر بالسوال ان اللّٰه مکّنه من العطاء کل ما اراد من خزائن الحق"۔ ترجمہ: نبیؐ کریم ﷺ نے سوال کرنے کے امر کو جو مطلق رکھا ہے، اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ السّلام کو خزانۂ حق سے ہر اُس چیز کے عطا کرنے پر قادر کر دیا ہے، جس کا آپ ارادہ فرمائیں۔

اِن تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اِذنِ الٰہی سے جو چاہیں، جسے چاہیں عطا فرمادیں، خواہ یہ عطا اُمورِ عادیہ سے ہو یا غیر عادیہ سے۔ انگلیوں سے چشمے جاری کر کے کثیر

صحابۂ کرام کو سیراب کرنا، سلمہؓ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو دَم فرما کر درست کر دینا، مافوق الامور میں امداد کے چمکتے دمکتے دلائل ہیں۔ پھر ربیعہؓ بن کعب کو سَلْ (مانگ) فرما کر آپ نے اپنی ذات سے حاجت روائی کا جواز صرف بیان ہی نہیں فرمایا بلکہ امر فرمایا ہے۔

ملّا علی قاریؒ سَلْ کی تفسیر فرماتے ہیں یعنی اُطلب من حاجة (مجھ سے حاجت طلب کرو) اور سوال کو مطلق رکھ کر یہ بھی سمجھا دیا کہ اُمورِ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ جس امر میں چاہو مجھ سے حاجت روائی کرو۔ اِسی مطلب پر پہنچ کر ربیعہؓ نے آپ سے جنّت کا سوال کیا۔ حالانکہ جنّت کا عطا کرنا عادتاً کسی کے اختیار میں نہیں۔ اگر یہ شرک تھا تو حضور علیہ السّلام اِس سوال سے روک دیتے، کیونکہ آپ کی بعثت ہی شرک کے قلع قمع کے لئے ہوئی تھی۔ لیکن آپ نے فرمایا اَوَ غیر ذٰلك اِس کے علاوہ بھی کچھ مانگ۔ (معترض کا کلام ختم ہُوا)

تحقیقی جواب

ہم نے جس انصاف اور دیانت داری سے معترضین کا مکمل استدلال نقل کیا ہے، چاہیئے کہ وہ بھی ہمارا جواب اُسی علمی انصاف اور تحقیقی دیانت داری سے پڑھیں اور اُس پر غور بھی کریں۔ گزارش ہے کہ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اور ملّا علی قاری حنفیؒ کے حوالہ جات کو سرِدست رہنے دیجئے، کیونکہ جو مقام رسالت مآبؐ کے ارشادات کا ہے، وہ اِن حضرات کے اقوال کا ہرگز نہیں۔ (ہم کچھ آگے چل کر اِن ہر دو[2] مذکورہ بالا شخصیّتوں کا عقیدہ دربارۂ استعانت بغیرِ اللہ تحریر کریں گے تاکہ معترضین کو ٹھنڈا کیا جا سکے) لہٰذا حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے، آپؐ نے جب سَلْ فرمایا تو ربیعہؓ آپؐ کے سامنے حاضر تھے اور اُنہوں نے سامنے موجود اور حاضر ہوتے ہوئے عرض کی اسئلك مرافقتك فی الجنّة نہ تو یہ مقامِ بعید سے استغاثہ و استمداد ہے اور نہ ہی یہ مافوق الاسباب استعانت، اگر اِس استعانت کو مافوق الاسباب مان بھی لیا جائے تو رسالت مآب کا اعانت فرمانا مافوق الاسباب نہیں، بلکہ آپ تو اسباب پر کاربند رہنے کا حکم

فرما رہے ہیں کہ نمازیں کثرت سے پڑھو، رکوع و سجود کو خشوع و خضوع اور حضورِ قلب سے ادا کرو، تاکہ اِن کے ذریعے تم اُس مقامِ رفیع پر پہنچ سکو، جس کے لئے تم مجھ سے سوال کر رہے ہو۔ حضور علیہ السّلام نے ربیعؓہ کو کثرتِ صلوٰۃ کا حکم دے کر واستعینوا بالصبر والصّلوٰۃ کا مفہوم بھی واضح فرمادیا۔ ایک اور لطیف بات یہ بھی ہے کہ ہمارے معترض صاحبان آدھی حدیث کا مفہوم بیان کر کے چُپ سادھ لیتے ہیں۔ آپؐ کے اِس آخری جملہ پر تبصرہ کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے، کہ آپؐ بھی اپنے صحابیؓ سے مدد مانگ رہے ہیں، کہ اگر تُو چاہتا ہے کہ مَیں تیرے لئے جنّت میں اپنی معیّت اور مقامِ بُلند کی، اللہ سے عرض اور اُس کی بارگاہ میں سفارش کروں اور اللہ تعالیٰ میری شفاعت سے تجھے یہ مقام بخش دے تو پھر تُو بھی زیادہ نمازیں پڑھ کر میری مدد کر، تاکہ مَیں روزِ قیامت کُھل کر تیرے لئے مقامِ مذکور مانگ سکوں۔ لہٰذا اِس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دُور دراز سے رسولِ اکرمؐ کو ہر آن اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھ کر آپ سے مافوق الاسباب استعانت کی جائے، بلکہ یہ تو ایک سیدھی سی بات ہے کہ جو شخص جس سے محبّت کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ مَیں دُنیا و آخرت میں اپنے محبوب کے ساتھ رہوں، جب ایک مخلص صحابیؓ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی یہ معصوم تمنا پیش کی تو آپ نے اسے حُسنِ عمل کا درس دے کر یہ سمجھا دیا کہ تُو بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کثرت اور اخلاص سے کر، تاکہ مَیں تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے وہ مقامِ ارفع و اعلیٰ مانگتے ہوئے یہ عرض کر سکوں کہ اے صاحبِ جُود و عطا ! میں تیرے اِس بندے کے لئے یہ مقامِ بُلند مانگ رہا ہوں، جس نے کثرتِ عبادت سے اپنے آپ کو اِس مقام کا حق دار ثابت کیا ہے۔

گویا آپ کا فرمانا کہ کثرت سجود سے میری مدد کر، بایں معنٰی ہُوا کہ کہیں ایسا نہ ہو، مَیں تیرے لئے اُس مقامِ بُلند کی درخواست بروزِ قیامت بارگاہِ ربّ الانام میں پیش کروں اور وہ فرمائے کہ یہ تو اِس قابل نہیں کہ آپ کے ساتھ رہ سکے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث شریف

میں آیا ہے۔ لیَرِدنّ علیَّ اقوامٌ أعرِفُهم ویعرِفوننِی ثمّ یحالُ بینی و بینهم فاقولُ انهم مِنّی فیقالُ اِنّك لَاتدرِی ماأحدثوا بعدَك فأقول سحقًا سُحقا لمن غیّر بعدِی۔(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ و مفہوم: حوض پر میرے پاس کچھ قومیں آئیں گی، جن کو مَیں پہچانتا ہوں اور وہ مجھے پہچانتے ہیں پھر میرے اور اُن کے درمیان حجاب کر دیا جائے گا، مَیں کہوں گا کہ یہ تو میرے لوگ ہیں تو کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ اِنہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے، پس مَیں کہوں گا، دُوری ہو اُس کو جو میرے بعد دین بدلے۔

لٰہذا آپؐ کا یہ فرمانا اِسی قبیل سے ہے کہ مَیں اِس مقامِ رفیع کے لئے تیری سفارش تو ضرور کروں گا مگر تُو اپنے آپ کو اِس کا حقدار بھی ثابت کر دکھا اور وہ ثبوتِ استحقاق بذریعۂ کثرتِ سجود ہے۔

شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی تحقیق میں وارد شُدہ الفاظ ''ہر چہ خواہد ہر کہ خواہد باذنِ پروردِگار خود بدہد''، اور علّامہ علی قاری حنفی کے یہ الفاظ ''اِن اللّٰه مکّنهٗ من العطاء کلّ ما ارادَ من خزائنِ الحق'' جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں ہم بھی تو اُسی حقیقت کے ترجمان ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اِذن اور عطا سے آپؐ پر ابوابِ خزائن کُھلتے ہیں اور پھر آپؐ اپنے خالق و مالک کی اجازت سے سلسلۂ کرم کا آغاز کرتے ہیں۔ مگر یہاں دو باتیں ضرور ذہن میں رہیں۔

1- ہمارے مہربان، رسالت مآب علیہ السّلام کے لئے اختیارات کا ثبوت دے کر پھر اُن اختیارات کو بعینہٖ بزرگانِ دین کی طرف منتقل اور منسوب کر دیتے ہیں کہ یہ بزرگانِ دین بھی اُنہیں اختیارات کے اُسی طرح مالک ہیں۔ یہ کہاں کی دانشمندی اور کیسا ادب ہے؟

2- یہ سب کچھ غیرُ اللّٰه سے استغاثہ و استمداد کے جواز کے ثبوت کے لئے کیا جاتا ہے جبکہ اللہ سے مانگنا واجب ہے۔ کیا وجوب اور جواز میں کچھ فرق نہیں ہے؟ اور جہاں وجوب اور جواز اکٹھے ہو جائیں تو ترجیح کسے ہوتی ہے؟

حدیثِ محوّلہ بالا کی تشریح میں پیش کیا جانے والا پیراگراف اگر شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے عقیدۂ استعانت بغیرِ اللہ کے اثبات میں پیش کیا جاسکتا ہے تو ذرا شیخِ دہلویؒ کا تحریر فرمودہ مندرجہ ذیل پیراگراف بھی پڑھیئے اور انصاف کیجئے کہ متذکرہ بالا مسئلہ میں شیخِ محقّقؒ کا عقیدہ کیا ہے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان فصلِ ثالث میں حدیث شریف عن ابی امامة انّ رجلًا سأل رسول اللّٰه ﷺ ما الایمان۔ قال اذا سرّتك حسنتكَ ......الخ کے تحت شیخِ محقق شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ امامِ عارف حضرت عبدالوہاب المتّقی المکّی قدّس اللہ روحہٗ کا قول رسالۂ حبل المتین فی تقویة الیقین کے حوالے سے اشعّة اللّمعات میں نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: اوّل توحید کہ بداند کہ خدایکے است بجمیع صفاتِ کمال موصوف و ہرچہ درعالم روداز نفع و ضرر و خیر و شر و منع و عطا جملہ بحکم و تقدیرِ اوست و فائدۂ آں عدمِ التفات است بسوئے مخلوقات از ضرر و نفع و وجود و عدمِ ایشاں۔

(ملاحظہ ہو اشعّۃ اللّمعات فارسی، جلد اوّل، ص75، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

محوّلہ بالا عبارت کا مفہوم یہ ہے۔ پہلی چیز توحید ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ اِس کا اعتقاد رکھّے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور تمام صفاتِ کمال سے موصوف ہے اور اِس پُوری کائنات میں نفع و نقصان، خیر و شر اور منع و عطا کے حوالے سے جو کچھ بھی رُونما ہوتا ہے وہ سب اُس کے حکم اور تقدیر کے تحت ہوتا ہے۔ اِس عقیدۂ توحید سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ بندے کی توجّہ تمام مخلوق کے نفع و ضرر اور اُن کے ہونے نہ ہونے سے کٹ جاتی ہے۔ (انتہٰی)

شیخِ محقّقؒ کی اِس وضاحت کے بعد مجھے فارسی کے عظیم صوفی شاعر خلّاق المعانی حضرت مرزا عبدالقادر بیدلؔ دہلویؒ کا ایک شعر یاد آرہا ہے، جو باری تعالیٰ کی صفات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ہر آن تمام موجودات پر اپنی پُوری توانائیوں کے ساتھ کام کررہی ہیں، کوئی صفت کسی لمحہ تعطُّل کا شکار نہیں ہوسکتی۔

بیدلؒ فرماتے ہیں۔

جُہدِ تعطیلِ صفت نقصِ کمالِ ذاتست یا بگو یا بشنو گفت و شنید است اینجا

اِسی طرح شیخ علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں: بُت پرستاں اگرچہ بتاں را مانندِ خدا او مخالفِ اُو تعالیٰ نمی دانند و نمی گویند ولیکن چوں آں ہا را می پرستند و تعظیم می کنند گویا مثل و مانندِ او می دانند و اعتقاد دارند کہ ایشاں را از عذابِ خدا وا می رہانند۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اشعۃ اللّمعات، باب الکبائر و علامات النفاق، ص 78، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

عبارتِ محوّلہ کا ترجمہ یہ ہے کہ مُشرکین اور بُت پرست اگرچہ اپنے بتوں کو خدا کا مانند اور اُس کا مخالف نہیں جانتے اور نہ کہتے ہیں مگر چونکہ اُن کی عبادت اور اُن کی تعظیم کرتے ہیں اِس بنا پر گویا وہ اُنہیں اُس کا مانند و شریک اور اُس کا مثل قرار دیتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُن کے یہ بُت اُنہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چُھڑا لیں گے۔

اِسی حدیث کے تحت حضرت علّامہ علی قاریؒ رقم طراز ہیں۔ للّٰہ نِدًا بالکسر أی مثلًا و نظیرًا فی دعائك و عبادتك......الخ۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مرقاۃ، شرح مشکوٰۃ)

ناطقہ سر بگریباں ہے اِسے کیا کہیئے

ہمارے ایک محترم خطیب تقریر فرما رہے تھے، دورانِ خطاب جب دلائل کے سمندر نے جوش مارا تو استعانت بغیر اللہ کے موضوع پر دلائل دینا شروع کر دیئے۔ ذخیرۂ احادیث میں سب سے وقیع، معتبر اور مضبوط ترین دلیل یہ پیش فرمائی "اور تو اور مشکوٰۃ شریف میں رسولِ اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک موجود ہے کہ جب تم کسی صحرا یا جنگل میں پھنس جاؤ، راستہ نہ ملے یا سواری کا جانور گُم ہو جائے تو یوں پُکارو! اعینُونی یا عبادَاللّٰہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ لہٰذا اِس معتبر حدیث شریف سے ثابت ہُوا کہ مصیبت اور پریشانی کے وقت اللہ کے مقبول و برگزیدہ بندوں کو پُکارنا، اُن سے استغاثہ واستمداد کرنا جائز ہے۔

جواباً گزارش ہے کہ جب آدمی کے دل سے نُورِ توحید کی نعمت سلب کر لی جاتی ہے تو پھر وہ بے چارہ یونہی اندھیرے میں ہاتھ پاؤں چلاتا رہتا ہے۔ کہاں کتاب و سُنّت کے مضبوط ترین دلائل اور کہاں یہ ضعیف روایت، جس کا حدیث شریف کی معتبر کُتب میں کہیں سُراغ نہیں مِلتا۔ مشکوٰۃ شریف کا حوالہ بھی خطیب صاحب کی سینہ زوری ہی کہیے، مجھے باوجود بسیار کوشش کے کہیں بھی مشکوٰۃ میں یہ حدیث نہیں مِل سکی، اگر خطیب صاحب یا کسی اور مہربان کے پاس مشکوٰۃ شریف کی کسی فصل یا کسی باب میں یہ حدیث موجود ہو تو براہِ کرم مجھے ضرور مطلع فرمایئے، احسان ہو گا۔

البتّہ مشکوٰۃ شریف کے علاوہ دو چار کُتب میں اِس کا پتہ چلا ہے۔ مثلاً اوراد و وظائف کی کتاب حصنِ حصین میں یہ روایت موجود ہے کہ اگر سفر میں سواری کا جانور چُھوٹ کر بھاگ جائے تو بُلند آواز سے کہو اعینوا یا عباد اللّٰہ رحمکم اللّٰہ۔ مدد کرو اے اللہ کے بندو! اللہ تم پر رحمت فرمائے۔ دُوسرے نمبر پر یہ بھی لکّھا ہے اگر کسی مددگار کو بُلانا ہو تو بُلند آواز سے کہو: یاعباد اللّٰہ اعینونی، یا عباد اللّٰہ اعینونی، یا عباد اللّٰہ اعینونی۔

حصنِ حصین کی شرح الحرز الثّمین میں مُلّا علی قاریؒ نے یہ بھی لکّھا ہے:

اذا انفلتت دابّۃ احدکم بارض فلاۃ فلیناد یا عباد اللّٰہ احبسوا۔

ترجمہ: جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ اے اللہ کے بندو! اِسے روک دو۔

پھر عباد اللّٰہ کے تحت علّامہ علی قاریؒ فرماتے ہیں: المراد بھم الملئکۃ اوالمسلمون من الجنّ او رجال الغیب المسلمون بابدال۔ یعنی اللہ کے بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان جن یا رجال الغیب مُراد ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے۔

قارئینِ محترم! اِس پُوری منقولہ بحث کا جواب تو ہم حسبِ عادت تفصیل سے دینے ہی والے ہیں البتّہ چلتے چلتے ایک علمی لطیفہ سے بھی محظوظ ہو لیجیے۔ علّامہ علی قاریؒ کی اِس آخری عبارت میں یہ الفاظ المراد بھم الملئکۃ اوالمسلمون من الجنّ کا سیدھا سا ترجمہ ہے۔ اِس سے مُراد یا فرشتے ہیں یا مسلمان جنّات۔

لیکن زمانۂ ماضی قریب کے ایک حکیم الامّت نے اِس کا ترجمہ یُوں کیا "یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن......الخ دیکھیں او المسلمون من الجنّ کا ترجمہ یا مسلمان یا جن یہ کس گرائمر اور قانون کے تحت ہے۔ اگر لفظ ہوتے او المسلمؤن او الجن پھر تو بات واضح تھی۔ اب حکیم الامّت صاحب نے یہ حکمت محض اِس لئے دِکھائی کہ اگر مسلمان جنّات معنیٰ کرتے ہیں تو پھر ندائے غائبانہ ثابت کرنا مُشکل ہو جائے گا، کیونکہ جنّات کے لئے یہ کون کہہ سکتا ہے کہ فلاں وقت فلاں جگہ وہ غائب تھے، دُور تھے اُنہیں ندا دی گئی تو یہ ندائے غائبانہ ہوئی۔ جنّات تو ایسی مخلوق ہیں کہ عام انسانوں کی نسبت اُن کا سُننا اور پہنچنا بہت قوی اور سریع ہوتا ہے لہٰذا لفظِ مسلمان کا الگ ترجمہ کیا جائے تاکہ مسلمان انسانوں (صوفیاء و صلحاء یا عام مسلمان) سے استعانت اور اُنہیں ندائے غائبانہ کرنا ثابت کیا جا سکے۔ لیکن حکیم صاحب نے یہ نہ سوچا کہ اِس معنیٰ سے دیگر چند خرابیاں بھی لازم آ رہی ہیں، جو سوالاً درج کی جاتی ہیں۔

1- کیا عام مسلمان جس کے لئے ولایت و کرامتِ عُرفی ثابت نہ ہو اُس سے بھی استعانت، استمداد اور ندائے غائبانہ جائز ہے یا یہ مرتبہ کچھ مخصوص مقام کے حامل افراد کے لئے ہے؟

2- کیا صرف مسلمان کے معنیٰ کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کفّار سے استعانت نہ کی جائے ورنہ علّامہ علی قاریؒ کی اِس تشریحی عبارت سے پہلے تو شاید یہ احتمال بھی موجود تھا کہ کفّار سے بھی بوقتِ مصیبت یا دشت و صحرا میں راستہ یا سواری کے گُم ہو جانے کی صورت میں استعانت کر لینا چاہیئے یہ تو بھلا ہو وکیلِ احناف علّامہ علی قاریؒ یا پھر ہمارے حکیم الامّت صاحب کا کہ اُنہوں نے مسلمان والے معنیٰ کر کے یہ قدغن لگا دی کہ آج کے بعد کفّار سے استغاثہ و استعانت جائز نہیں، صرف مسلمانوں سے کی جائے، خواہ وہ جس درجہ کے بھی ہوں، اُن پر صرف لفظِ مسلمان کا اطلاق ہوتا ہو۔

3- جِنّ کے لفظ کو مسلمون سے الگ مستقل معطوف بنانے سے یہ مفہوم اخذ ہُوا کہ جنّات سے استعانت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ جنّ مسلمان ہوں، بلکہ کافر جنّات سے بھی

استعانت جائز ہے۔ مقصد کام نکلوانے سے ہے، خواہ کسی کے ذریعے سے کہیں سے بھی نکل آئے۔ کیونکہ شاید یہ مسلمان اور کافر والے جھگڑے تو انسانوں میں ہیں، جنّات تو سب کے سب مسلمان، مؤمن اور متّقی ہی ہیں وہاں کافر اور مسلمان والی تفریق بے فائدہ ہے۔ سبحان اللہ! کیسی حکیمانہ تحقیق ہے۔ اگر یہی حکمتِ بالغہ کار فرما رہی تو ان شاء اللہ سُنّیوں کا بیڑا پار ہے۔ کیا کریں شرک ایسا موذی مرض ہے، جب چمٹ جائے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ مسلمانوں، کافروں اور جنّوں، سب سے استعانت کو ثابت کیا جارہا ہے مگر اُس مستعانِ حقیقی اور مجیب الدّعوات کی طرف توجّہ نہیں کی جارہی، جس کے دروازے پر جانا واجب ہے۔

رکیک اور ضعیف دلائل کے سہارے غیرُ اللّٰہ سے استعانت کے جواز پر اتنا زورِ قلم صرف کیا جارہا ہے، مگر اللّٰہ لطیفٌ بِعبادہٖ ذات سے استعانت کے وجوب پر کسی کی نظر نہیں۔ جواز کے پیچھے دوڑنا اور وُجوب کو نظر انداز کرنا کہاں کی دانش مندی ہے۔

یہ مذکورہ بالا تینوں خرابیاں حکیم الامّت کے ترجمے سے لازم آئیں، جنہیں بطورِ لطیفہ ہدیۂ قارئین کر دیا گیا، اب ہم اصل روایت کے جواب کی طرف عنانِ قلم پھیرتے ہیں۔ اِس کے بھی چند جواب ہیں ملاحظہ فرمائیں:

1- روایتِ ہٰذا میں سواری کا جانور یا راستہ گُم ہونے کی صورت میں اِس نداء کی جو اجازت ہے اِسے حقیقتاً ندائے غائبانہ نہیں کہا جاسکتا۔ اگر مطلقاً ندائے غائبانہ کی اجازت ہوتی تو اِسے مسافروں سے مختص نہ کیا جاتا، بلکہ یہ ایک مخصوص حالت میں مخصوص نداء ہے، جس کے منادیٰ اِسی ڈیوٹی کے لئے وہیں مقرّر ہوتے ہیں جو ایسی صورت میں یہ ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں۔ ملّا علی قاریؒ کے کلام کی روشنی میں وہ ملائکہ یا مسلمان جنّات یا ابدال یعنی رجال الغیب ہیں، جن پر اگر تفصیلی گفتگو کی جائے تو ندائے غائبانہ نہیں بنتی۔ ایک تو یہ قرینہ موجود ہے کہ وہ وہیں موجود ہوتے ہیں، جنگلوں اور صحراؤں میں دُور نہیں ہوتے اور اِسی قرینہ کے تحت اُن کے سماع یعنی سُننے پر دلیل قائم ہوتی ہے۔

ملائکہ اور جنّات کے بارے میں تو ہر شخص جانتا ہے۔ رجال الغیب وہی ہوتے ہیں جو بظاہر نظروں سے غائب ہوں، مگر حقیقتاً موجود ہوں اور اُن کی ڈیوٹی ہی یہ ہے اور اُنہیں یہ طاقتِ سماع دے کر اِسی کام کے لئے وہیں مقرر کیا گیا ہے۔ یہی اُن کے سُننے اور اُنہیں نداء دینے کا قرینہ ہے اور روایت کی روشنی میں یہ قرینہ یقینِ سماع پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ ندائے غائبانہ ہرگز نہ ہوئی اور نہ یہ کسی بزرگ سے اُس کے وصال کے بعد استعانت ہے۔

2- کُتبِ احادیث میں کسی معتبر کتاب سے یہ روایت ثابت نہیں۔ یہ روایت لکھنے کے بعد ملّا علی قاریؒ نے اگرچہ یہ لکھ دیا هذا حديث حسن يحتاج اليه المسافرون وانه مجرّب لیکن کسی دیگر محدّث یا امام کا اِسے اپنی کسی تالیفِ حدیث شریف میں نقل کرنا اور اِس حدیثِ حسن سے اپنی کتاب کو حسین نہ بنانا ہمیں کیا سمجھا رہا ہے؟ اگر کہہ دیا جائے کہ اِس حدیث شریف کو ضعیف بھی کہہ دیا جائے تو بھی فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے پھر بھی کام نہیں چلے گا کہ یہ فضائلِ اعمال کی بات نہیں ہو رہی، بلکہ اسلام کے بنیادی عقیدہ، عقیدۂ توحید کے متعلّقات میں گفتگو ہو رہی ہے اور عقائد میں ظنّیات سے بحث نہیں ہوتی بلکہ قطعیّات سے گفتگو کی جاتی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں النبراس اور شرح عقائد)

3- درّمختار، فتاوٰی شامی اور دیگر کُتبِ فقہ میں گُم کردہ راہ مسافر کے لئے اذان بھی تو مسنون بتائی گئی ہے۔ اگر مسافر کے لئے ندائے اعینونی پر اِتنا زور دیا جا رہا ہے تو اذان والے پہلو کو کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے، کیا اِس لئے کہ اذان خود اعلانِ توحید و کبریائیِ خالق ہے؟ اور ہمارے مخالفین کو توحید راس نہیں آتی۔

4- علماء میں ایک قاعدہ مشہور ہے نکتہ فارّ کے لئے ہوتا ہے قارّ کے لئے نہیں ہوتا۔ یعنی جو چیز اپنے اصل اور حقیقت پر قائم ہو اُس پر دلائل نہیں دیئے جاتے، بلکہ جو اصل اور حقیقت سے ہٹ کر مجاز کی طرف آئے اُس پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔ اب اللہ سے مدد مانگنا اصل اور حقیقت ہے باقی سب مجاز، جب حقیقت موجود ہے تو پھر یاعباداللّٰہ اعینونی پر

کیوں زور دیا جاتا ہے۔ اچھا اتنا بتا دیجئے کہ بوقتِ مصیبت ہر طرف سے خالی الذّہن ہو کر اللہ کو پُکارنا آپ حضرات کے نزدیک شرعًا کیسا ہے؟ کُفر ہے، شرک ہے، بدعت ہے یا ایمان ہے۔

یہاں ہم عصرِ حاضر کے محقّق عالِم دین علّامہ غلام رسول سعیدؔی صاحب کا ایک فکر انگیز اور تحقیقی تفسیری نوٹ درج کرنا چاہتے ہیں جو مسئلۂ ہٰذا کی تفہیم کے سلسلے میں ضرور معاون ثابت ہو گا۔

وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد کے معاملہ میں راہِ اعتدال

ہر چند کہ قرآنِ مجید میں وفات شُدہ بزرگوں کو پکارنے اور اُن سے مدد طلب کرنے کی کہیں تصریح نہیں ہے لیکن اِس سلسلہ میں احادیث اور آثار موجود ہیں جو ہم الفاتحہ: 4 میں بیان کر چکے ہیں اِس کے علاوہ علمائے اسلام کی بکثرت نقول ہیں اور اِن سب کو شرک اور گمراہی پر مجتمع قرار دینا درست نہیں ہے، اب حال یہ ہے کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی قید اور بغیر کسی اِستثنٰی کے وفات شُدہ بزرگوں سے استمداد کو شرک کہتے ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو مصائب اور شدائد میں اور اپنی حاجات میں اللہ عزّ و جلّ کو چھوڑ کر وفات شُدہ بزرگوں کو پکارتے ہیں اور اُن ہی کے نام کی دہائی دیتے ہیں، اور اُن کے نزدیک افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ وفات شُدہ بزرگوں سے مدد طلب کی جائے اور اللہ کو پکارنے اور اُس سے مدد طلب کرنے کو وہ وہابیّت اور نجدیّت قرار دیتے ہیں، حالانکہ بعض احادیث اور آثار اور بعض صوفیاء کرام اور بعض علماء کی نقول سے اگر کچھ ثابت بھی ہوتا ہے تو وہ یہ ہے کہ وفات شُدہ بزرگوں کو پکارنا اور اُن سے مدد طلب کرنا جائز ہے، شرک نہیں ہے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ عزّ و جلّ کو چھوڑ کر صرف اُن کو پکارنا اور اُن سے مدد طلب کرنا افضل اور اولیٰ ہے، اور یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا قطعی اور یقینی ہے اور اُس کو پکارنا اور اُس کی عبادت کارِ ثواب ہے اور وفات شُدہ بزرگوں کا مدد کرنا قطعی اور یقینی نہیں ہے اور مشکلات اور مصائب میں اُن کو پکارنا بہرحال اللہ تعالیٰ کی عبادت اور کارِ ثواب

نہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، غوثِ اعظم اور دیگر اولیائے کرام سے کوئی مدد طلب کرے تو وہ اِس کے رد میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام پر وہ آیات چسپاں کرتے ہیں جو بتوں کے متعلّق نازل ہوئی ہیں۔

یہ درست ہے کہ اگر انبیاء علیہم السّلام اور اولیائے کرام کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر مانا جائے اور یہ اعتقاد ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اُس کے اِذن سے حاجت روائی کرتے ہیں اور اگر اللہ نہ چاہے تو کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا لہٰذا یہ شرک اور کُفر نہیں ہے، لیکن ایسی صورتِ حال میں جس کا اللہ نے نقشہ کھینچا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارنا اور اُس سے حاجت طلب کرنا مستحسن بھی نہیں ہے کیونکہ یہ بہرحال ایک ظنّی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری پکار پر اُن فوت شُدہ بزرگوں کو مطّلع کر دے اور ہماری مدد کرنے کی اُن کو اجازت دے دے اور طاقت عطا فرمائے لیکن جو چیز قطعی اور یقینی ہے اور جس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر حال میں سننے والا ہے اور ہر قسم کی بلا اور مصیبت کو دُور کرنے والا ہے، اُسے سننے کے لئے کسی کے اِذن کی ضرورت نہیں ہے اور مدد کرنے کے لئے کسی کی قوت آفرینی کی حاجت نہیں ہے تو پھر کیوں نہ صرف اُسی کو پکارا جائے اور اُسی سے مدد طلب کی جائے جبکہ پُورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اِس کی دعوت دی ہے کہ اُسی کو پکارو، اُسی سے دُعا کرو اور اُسی مدد طلب کرو، اور جگہ جگہ بیان فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام بھی شدائد، مشکلات اور اپنی حاجات میں اُسی کی طرف رجوع کرتے تھے، اُسی کو پکارتے تھے اور اُسی سے دُعا کرتے تھے تو کیوں نہ ہم بھی اپنی مشکلات اور حاجات میں اُسی کارسازِ حقیقی کی طرف رجوع کریں اور انبیاء علیہم السّلام اور صالحین کی اتباع کریں۔

نیز اِس پر غور کرنا چاہیئے کہ مصائب اور شدائد میں تو بڑے سے بڑا مُشرک بھی اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے تو اگر ہم مُوحّد اور مسلمان ہو کر ایسے حالات میں اللہ کی طرف رجوع نہ کریں بلکہ مجازی سہاروں کو پکاریں جن کی امداد اور اعانت بہرحال قطعی نہیں ہے تو کیا ہمارا یہ

عمل اُن مُشرکین سے کم تر نہیں ہے، ہم حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف لپکیں اور قطعی امداد کو چھوڑ کر ظنّی امداد کو طلب کریں تو کیا ہمارا یہ عمل مستحسن ہو گا؟ یہ درست ہے کہ جو علماء مجازی نسبت کو حقیقی قرار دے کر ایسے مسلمانوں کو مُشرک کہتے ہیں اُن کا یہ قول صحیح نہیں ہے اور ایک انتہائی اقدام ہے لیکن اِس کے ردِّ عمل میں ضد کرتے ہوئے صرف مجازی سہاروں سے وابستہ ہو جانا اور کبھی حقیقت کی طرف نہ پلٹنا یہ بھی دُوسرا انتہائی اقدام ہے۔

(تبیان القرآن ج 5، صفحہ 347-348، مطبوعہ رومی پبلی کیشنز، لاہور)

بحث کی منزلِ تکمیل

ہم نے اپنے اِس مختصر مقالہ میں معترضین کے مشہور اعتراضات کا جواب مختصر، مگر جامع انداز میں پیش کر دیا ہے۔ اب سابقہ اوراق میں محررہ ایک اعتراض کے جواب کا اعادہ کرتے ہوئے اِسے منزلِ تکمیل سے ہمکنار کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں جہاں غیرُ اللّٰہ کو پُکارنے اور اُن سے مدد مانگنے سے منع کیا گیا ہے اُن غیرُ اللّٰہ سے مُراد انسان نہیں، بلکہ اصنام ہیں اور اصنام کے متعلّق آیات کو انسانوں پر منطبق کرنا قرآنی تحریف ہے۔ ایسے لوگ دراصل ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ہاں وفات یافتہ حضرات سے مدد مانگنے کا جو طریقہ رائج ہے اور اِس سلسلہ میں مسلمانوں کے ذہنوں میں جو عقائد صدیوں سے نسلاً بعدَ نسلٍ منتقل ہوتے چلے آ رہے ہیں، وہ کہیں زائل نہ ہو جائیں، کیونکہ اگر یہ عقائد لوگوں کے ذہنوں سے صاف ہو گئے تو وہ براہِ راست اللہ سے سوال کریں گے اور اگر وہ اِسی طرح اللہ سے براہِ راست مانگنے لگ گئے تو پھر خانقاہی نظام سارے کا سارا تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ پھر مشائخِ درگاہ اور خانقاہوں کو سجا کر بیٹھنے والے اِن سجّادہ نشینوں کو کون پُوچھے گا؟ اور علماء و مشائخ کے ذریعۂ آمدن کا کیا بنے گا؟ لہٰذا خانقاہوں سے تعلّق رکھنے والے اکثر علماء و خطباء، وفات یافتہ اہلِ مزارات کی نسبت اُن کے زندہ مجاورین کا قُرب پانے اور اُن سے انعام حاصل کرنے کی لالچ میں ایسی دُور از کار تاویلات بیان کرنے میں چھاتی کا

پُورا زور صَرف کرتے ہوئے سادہ لوح زائرین کو سابقہ عقائد پر استوار رہنے کی آئے دن تلقین کرتے سُنائی دیتے ہیں، جس کے صلے میں بعض اوقات تو اُنہیں کچھ دے دیا جاتا ہے اور اکثر قل لا اسئلکم علیه اجرًا کے معنٰی کی طرف توجّہ دلا کر اپنی سجّادگی کے مصلحت آمیز طویل سکوت کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ مگر ایسے صلہ کا کیا فائدہ جس کی بنا پر انسان کا عالَمِ آخرت تباہ ہو کر رہ جائے اور ساری زندگی ایسی بے نتیجہ غلامی میں صرف ہو جائے۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن و سُنّت کی روشنی میں اِن تصوّرات کا کیا جواب ہے اور یہ کہ غیرُ اللّٰہ کی تعریف کیا ہے؟

غیرُ اللّٰہ کی تعریف

قرآن میں غیرُ اللّٰہ کئی مقامات پر استعمال ہُوا ہے، مثلاً قل اغیرُ اللّٰہ ابغی ربًّا وھُو ربّ کل شیٔ۔ ترجمہ: آپ فرمادیں کہ کیا مَیں اللہ کے علاوہ کسی اور ربّ کو چاہوں، حالانکہ اللہ ہی ہر شے کا ربّ ہے۔ یہاں غیر بمعنٰی "علاوہ" ہے۔ اِسی طرح قرآن میں جہاں بھی مِن دونَ اللّٰہ کے الفاظ آئے ہیں، وہاں بھی دونَ کے معنٰی علاوہ کے ہیں۔ گویا غیر اور دونَ کے ایک ہی معنٰی ہوئے۔ رہی یہ بات کہ قرآنِ مجید نے صرف اصنام پرستی سے روکا ہے اور زیادہ تر آیات اصنام ہی کے بارے وارد ہوئی ہیں، لہٰذا اِن کو انسانوں پر منطبق کرنا مفہومِ قرآنی کی تحریف ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ غیرُ اللّٰہ اور مِن دونِ اللّٰہ کے معنٰی اللہ کے علاوہ کے ہیں۔ جو لوگ اِس قسم کی باتیں کرتے ہیں دراصل وہ محض سطحی انداز میں تبصرہ کر دینے کے عادی ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دَورِ مقدّس میں مُشرکینِ مکّہ انسانوں کی پُوجا نہیں کرتے تھے، بلکہ بتوں کے پرستار تھے۔ اگر یہ لوگ کسی زندہ یا مُردہ انسان کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے جو اصنام سے کرتے تھے تو یقیناً اللہ تعالٰی قرآنِ مجید میں اِس کی بھی تردید فرما دیتا، جیسا کہ حضرتِ عُزیر و عیسٰی سلام اللہ علیہما کے سلسلہ میں وضاحت فرماتے ہوئے فرمایا۔ وقالت الیھود عزیرٌ ابن اللّٰہ و قالت النّصٰرَی المسیح ابن اللّٰہ۔ ترجمہ: اور یہودی بولے عُزیرؑ، اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیحؑ، اللہ کا بیٹا ہے۔ پھر اُن کے اِس عقیدہ کے بارے میں

یہ الفاظ فرمائے ذلك قولهم بافواههم یضاهئون قول الذین کفروا من قبل۔ ترجمہ: یہ باتیں وہ اپنے مُنہ سے بکتے ہیں اگلے کافروں کی سی بات بناتے ہیں۔ پھر ایسے بدعقیدہ لوگوں کو اِن بددعائیہ کلمات سے یاد کیا قاتلهم اللّٰه انّٰی یؤفکون۔ ترجمہ: اللہ اُنہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

آپ نے دیکھا چوں کہ یہود و نصاریٰ عُزیر و عیسٰی سلام اللہ علیہما کو اللہ کا بیٹا سمجھتے تھے اللہ نے اُن کے اِس قول کو مبنی بر کُفر قرار دیتے ہوئے رد فرمادیا اور پھر اِس کے بعد اُن کے کُفریہ اور مُشرکانہ عقیدہ کی مزید وضاحت اِن الفاظ میں فرمائی اتّخذوا احبارهم و رهبانهم اربابًا من دون اللّٰه وَالمسیحَ ابنَ مریم۔ کہ اُنہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے علاوہ اپنا ربّ ٹھہرا لیا تھا اور عیسٰی کے بارے اُن کا یہی عقیدہ تھا۔ مقامِ غور ہے کہ اُمّت کے علماء و مشائخ اور اُس اُمّت کے نبی کے مقام میں کتنا فرق ہے۔ کہاں ایک نبی اور کہاں اُن کی اُمّت میں شامل علماء و مشائخ، لیکن جب اللہ کے علاوہ کسی کو ربّ ماننے کا سوال آیا تو اللہ نے علماء و مشائخِ اُمّت اور ایک نبی کے ربّ ہونے کو مساویانہ انداز میں بیان فرما کر نفی کر دی۔ گویا جس طرح علماء اور مشائخ ربّ نہیں، اُسی طرح کوئی رسول اور نبی بھی ربّ نہیں ہو سکتا۔ ربّ تو وہی ہے جو ربُّ کُلِّ شیءٍ ہے۔ آپ نے دیکھا کہ عُزیر و عیسٰی سلام اللہ علیہما کے زمانے میں بتوں کی نسبت شخصیّت پرستی کا زور تھا تو اللہ نے بتوں کا ذکر ہی نہیں کیا، بلکہ عُزیر و عیسٰی کے عدمِ ربوبیّت اور اُن دونوں کی ابنیّت کی نفی فرمائی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم تو صنم پرست ہیں، ہم بتوں کو اللہ کا بیٹا تو نہیں مانتے لہٰذا عُزیر و عیسٰی علیہم السّلام کے بارے وارد اربابًا من دونِ اللّٰه کی آیات کو ہمارے بتوں پر منطبق نہ کیا جائے، ورنہ یہ عمل قرآن کے مطالب کی تحریف کے مترادف ہوگا، کیونکہ اِن آیات میں انسان مخاطب ہیں، ہمارے بُت مخاطب نہیں۔ کیا اِس بے جوڑ منطق کو کوئی معقول انسان تسلیم کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے؟ یہاں ذکر اُن بعض سطحی النظر لوگوں کا ہے جو

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دورِ مقدس میں اصنام کے سلسلہ میں نازل ہونے والی آیات کو انسانوں پر چسپاں کرنا مفاہیمِ قرآنیہ کی تحریف قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی نبی یا رسول، عالم یا کسی پیر کو ربّ بنالینا کُفر قرار دیا ہے تو اصنام کے ربّ سمجھنے کو بھی بعینہٖ کُفر قرار دیا ہے۔ یہ نہیں کہ انسانوں کو ربّ بنالینا تو حرام ہے اور کسی بُت کو ربّ بنالینا حلال ہے یا اِس کے برعکس دونوں کو ربّ بنانے اور سمجھنے کی نفی کی جارہی ہے۔

کچھ کج بحث معترض بخاری شریف باب قتالِ الخوارج والملحدین بعد اقامة الحجّةِ علیهم کے تحت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ خیال اور طریقہ اپنے موقف کی تائید میں بہ طورِ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وکان ابن عُمرَ یراهُم شِرارَ خلق اللّٰه وقال انّهم انطلقوا الی اٰیاتٍ نزلت فی الکفّارِ فجعَلُوهَا علی المؤمنین۔ ترجمہ: اور حضرت ابنِ عمرؓ اُن (خوارج و ملحدین) کو تمام مخلوقِ خُدا میں زیادہ شرارتی سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ اُن آیات کو جو کفّار کے بارے نازل ہوئیں مؤمنین پر چسپاں کرتے ہیں۔ معترض کے مسطورہ بالا اعتراض و حوالہ کا جواب کچھ تو خود بخاری شریف کے اِسی مقام اور اِنہی الفاظ کے بین السطور مندرجہ کلمات ہی سے عیاں ہے۔ شرار کے تحت بین السّطور ہے۔ أی شِرارَ المسلمین لأنّ الکفّارَ لأیأولُون کتاب اللّٰه اور فجعلُوهَا کے تحت ہے۔ أی أوّلوهَا وَصیّرُوهَا۔ یعنی وہ لوگ خوارج و ملحدین مسلمانوں کے تمام فرقوں میں زیادہ شرارتی ہیں کیونکہ کفّار تو ویسے بھی باہر کی مخلوق ہیں، وہ نہ کتابُ اللہ قرآنِ مجید کو مانتے ہیں اور نہ ہی اِس سے استدلال کرتے ہوئے تاویل کے درپے ہوتے ہیں۔ جبکہ خوارج وغیرہ بہ ظاہر قرآنِ کریم کو مانتے بھی ہیں اور اِس کی تأویلات کرتے ہوئے اپنے پسندِ طبع مطالب نکالتے ہیں اور اپنے خود ساختہ و غلط عقائد ثابت کرنے کے لئے آیاتِ قرآنی کا سہارا لے کر اُن میں رکیک و بے جا تأویلات کرتے ہیں۔

قارئین کرام! لِلّٰه انصاف ...... کیا آیاتِ قرآنیہ کی تاویلیں ہم کر رہے ہیں یا

ہمارے معترض؟ من دون اللّٰہ اور غیرُاللّٰہ کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر مختلف بدعات اور مُشرکانہ عقائد و رسُوم کے لئے راستہ ہموار ہم کر رہے ہیں یا ہمارے اعتراض کرنے والے؟ آنکھیں کھولو! یہ وہی لوگ ہیں جو سیدھی سیدھی تفسیرِ مأثور اور عقائدِ صحابہؓ پر عمل پیرا ہونے کے بجائے کبھی تو آیتِ متشابہات سے استدلال کرتے ہوئے اپنے کمزور عقائد کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی اپنی طرف سے بے جا تاویلیں کر کے خود بخود مستثنیات نکالتے ہیں۔ ہم تو سیدھے سیدھے کتاب و سُنّت کا دامن تھامنے والے ہیں اگر کبھی کوئی مُؤوّل یا متشابہات میں کھینچا تانی کرنے والا شخص ہمیں اُلجھانے کی کوشش کرے تو ہم قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور برملا کہہ دیتے ہیں۔ ومَایعلمُ تأویلَهٗ اِلّا اللّٰه۔

یہ بات بھی مستحقِ توجہِ خاص ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ نے جن لوگوں کو شریر ترین مخلوق کہا ہے اُن کا سبب اُن کا خارجی و ملحد ہونا ہے یا تاویلات کر کے کفّار کے بارے نازل شُدہ آیات کو اہلِ ایمان پر فٹ کرنا ہے۔ خوارج تو ایک مشہور فرقہ ہے جس کے متعلّق تاریخ کا ہر طالبِ علم جانتا ہے کہ جن لوگوں نے مسئلۂ تحکیم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے خلاف خروج کیا۔ ملاحدہ کون ہیں اِس کے معنٰی خود حاشیۂ بخاری مقامِ مذکور پر یوں ہیں۔ الملحدین جمع ملحد و هوالعادل عن الحق والمائل الی الباطل یعنی ملحد وہ ہے جو حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف رغبت و میلان رکھّے۔ اب حق سے اعراض کر کے باطل کی طرف رجوع جس شخص میں پایا جائے گا وہ ملحد ہے اور حضرت ابنِ عمرؓ کے بقول وہ شریر ترین ہے۔ اگر ابنِ عمرؓ کا اُنہیں شرارتی قرار دینے کا سبب اُن کا خارجی و ملحد ہونا ہے تو جہاں بھی یہ صفت پائی جائے گی وہی شرارتی ہوں گے، چاہے وہ مسلمان کہلانے والے ہوں یا اپنے آپ کو کسی مسلک کی طرف منسوب کرتے ہوں اور اگر مؤمنوں والی آیات کفّار پر فٹ کرنے کے سبب ابنِ عمرؓ ایسا فرماتے تھے تو پھر سیدھی سی بات ہے، جہاں بھی کفّار و مُشرکین والی عادات یا اُن جیسے عقائد

پائے جائیں گے وہاں ایسی تمام آیات ضرور صادق آئیں گی۔ چاہے مُشرک کسی بُت کی عبادت کرکے شرک کا مُرتکب ہو یا کسی بزرگ ہستی کی عبادت کرکے اپنے آپ کو زمرۂ مُشرکین میں داخل کرے۔ آیاتِ قرآنیہ کا نزول تو خاص ہوتا ہے، لیکن حکم عام ہوتا ہے۔ اِسی طرح اِن آیات کا حکم بھی عام ہے۔

یہاں ایک اور اہم مسئلہ کی وضاحت نہ کرنا بھی مضمونِ ہٰذا کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اِس مضمون میں کئی جگہ پر واضح کیا ہے کہ قرآنِ مجید میں وارد لفظِ مِن دونِ اﷲ سے اللہ کے سِوا سب کچھ مُراد ہے۔ البتہ بہ طورِ خاص جہاں نفیِ شرک اور ہر غیر سے نفیِ استحقاقِ عبادت کا ذکر آیا ہے وہاں مِن دونَ اﷲ میں جس طرح کفّار و مُشرکین کے معبودانِ باطلہ شامل ہوتے ہیں اِسی طرح انبیاء و اولیاء اور ملائکہ مقرّبین بھی شامل ہوتے ہیں، کیونکہ حقِّ عبادت فقط اللہ کے لئے ثابت ہے۔ لیکن پھر بھی اتنا فرق ملحوظ رہے کہ انبیاء و صلحاء کیونکہ کسی دَور میں بھی نہ اپنی عبادت پر راضی ہوئے نہ اُنہوں نے اپنے مُتّبعین کو اِس کا حکم دیا۔ اِسی لئے وہ دوزخ کے عذاب سے دوچار نہیں ہوں گے، لیکن اُن سے بھی پُوچھا ضرور جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے تذکرہ میں سورۂ مائدہ کے حوالے سے گزرا ہے۔ البتہ طواغیت، شیاطین اور اصنام کو دوزخ میں بھی ڈالا جائے گا۔ اِس فرق کے ہم قائل ہیں، لیکن یہ کہنا کہ اولیاء و صالحین وغیرہ کے لئے مِن دونِ اﷲ کے الفاظ بالکل استعمال نہ کیے جائیں یا نہیں کیے جاسکتے، پرلے درجے کی بے خبری اور ضلالت ہے۔

تفاسیر و تواریخ سے آگاہ لوگ جانتے ہیں کہ دُنیا میں عبادتِ غیرُ اﷲ کا رواج سب سے پہلے بے چارے اصنام کے ذریعے ڈائریکٹ نہیں ہُوا، بلکہ نیک بندوں اور مقبولانِ خُدا کی تعظیمِ بے جا اور محبّتِ مُفرَطہ اِس کا سبب بنی۔ جن پانچ بُتوں کا سورۂ نوح میں ذکر کیا گیا۔ وہ ودّ، سواع، یغوث، یعُوق اور نسر ہیں۔ اِن کا پس منظر کیا ہے، آیئے معتبر تفاسیر کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔

تفسیر رُوح المعانی میں ہے: (ولاتذرنّ ودًّا ولَا سواعًا ولَا يغوث و يعُوقَ و نسرًا) أی ولا تتركُوا عبادة هٰؤلآءِ خصوصًا بالذكر مع اندراجها فيما سبق لانّها كانت اكبر أصنامهم ومعبودا تهم الباطلة وأعظمها عندهم' وان كانت متفاوتة فی العظم فيما بينها بزعمهم كمايؤمی اليه اعادة لامع بعض و تركها مع آخر' وقيل افرد يعوق و نسر عن النفيِ لكثرة تكرارٍ لاوعدم اللّبس' وقد انتقل هذه الاصنام الی العرب۔

یعنی یہ پانچ بُت اِس لئے خصوصًا ذکر کئے گئے کہ یہ اُن معبودانِ باطلہ میں سے بڑے اور مشہور گُرو بُت تھے' باقی سب اُن کے چیلے اور چھوٹے تھے اور پھر یہ پانچ بڑے بُت ہی عرب میں منتقل کیے گئے اور اُن کی عبادت نے عرب میں رواج پایا اور قرآن اوّلاً عرب والوں کے شرک کی نفی اور اُن کی اصلاح کے لئے آیا اِسی لئے اِنہی پانچ اصنام کو خاص طور پر ذکر کیا گیا۔

اب ذرا جگر پر ہاتھ رکھ کر مطالعہ فرمائیے کہ اِن بُتوں کے پیچھے کون سا نظریہ اور تصوّر موجود تھا، جس کی بنا پر اِن کی عبادت کی گئی۔ علّامہ آلوسی بغدادیؒ صاحبِ رُوح المعانی رقم طراز ہیں:

أخرج البخاریّ ' وابن المنذر' و ابن مردويه عن ابن عبّاس قال: صارت الاوثان الّتی كانت فی قوم نوحٍ عليه السّلام فی العرب بعد امّا ودّ فكانت لكلب بدومة الجندل وأما سواع فكانت لهذيل' وامّايغوث فكانت لمرادثم لبنی غطيف عند سبأ' وامّايعوق فكانت لهمدان وامّانسر فكانت لحمير لآل ذی الكلاع' وكانت هذه الاسماء اسماء رجال صالحين من قوم نوح' فلما هلكوا أوحی الشيطان اليهم أن انصبوا فی مجالسهم الّتی كانوا يجلسون فيها انصابًا وسمّوها بأسمائهم ففعلوا فلم تعبد حتی اذاهلك اولئك ودرس العلم عبدت۔

ترجمہ: بخاری، ابنِ منذر اور ابنِ مردویہ نے حضرت ابنِ عبّاسؓ سے روایت کیا کہ حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانے میں جو بُت تھے، وہی بعد ازاں عرب میں لائے گئے (یا اُن کی عبادت منتقل ہوئی) پس وُدّ دومۃ الجندل میں، سواع، ھذیل والوں کے لئے، یغوث بنی غطیف اور مُراد والوں کا بُت تھا جو سبا کے نزدیک نصب کیا گیا۔ اِسی طرح یعوق ہمدان اور نسر آلِ ذی الکلاع کے لئے تھا اور یہ پانچوں نام اُن پانچ نیک شخصیتوں کے نام پر تھے، جن کا تعلّق قومِ نوح علیہ السّلام سے تھا۔ پس جب اُن نیک بندوں کی وفات ہوئی تو شیطان نے اُن کے محبّین و متعلّقین کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اِن کی شکل کے بُت بنا کر مجالس میں وہیں رکھو، جہاں وہ بزرگ بیٹھا کرتے تھے اور اُن بتوں کا نام اُن بزرگوں کے نام پر رکھو۔ پس اُنھوں نے یہ سب کچھ تعظیمًا کیا، وہ اُن بُتوں کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب زمانہ بدلا تو آنے والی نسلوں نے اُن کی عبادت شروع کر دی۔

وأخرج ابوالشيخ فى العظمة عن محمدبن كعب القرظى أنّهٗ قال: كان لآدم عليه السّلام خمسة بنين: ود و سواع...... الخ، فكانوا عبادًا فمات رجلٌ منهم فحزنوا عليه حزنًا شديدًا فجاء هم الشيطن فقال: حزنتم علىٰ صاحبكم هذا؟ قال: هل لكم أن أُصوّرَلكم مثله فى قبلتكم اذا نظرتم اليه ذكرتموه؟ قالوا نكره أن تجعل لنا فى قبلتنا شيأ نصلّى عليه: قال فاجعلهٗ فى مؤخر المسجد فنقصت الاشياء حتّٰى تركُوا عبادَة اللّٰه تعالىٰ وعبدوا هٰؤلاءَ فبعث اللّٰه تعالىٰ نوحًا عليه السّلام، فدعا هُم اِلى عبادة اللّٰه تعالىٰ وحدهٗ و تركِ عبادتها فقالُوا ماقالُوا۔

ترجمہ: محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے اُس نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السّلام کے پانچ بیٹے تھے۔ وَدّ، سواع اور الیٰ آخرہٖ۔ پس وہ عابد، زاہد شخص تھے، جب اُن میں سے ایک فوت ہُوا تو باقی بھائی اور دیگر اہلِ خاندان نہایت غمزدہ ہوئے۔ پس شیطان اُن کے پاس آیا اور پُوچھا!

کیا تم اپنے اِس بھائی کے لئے پریشان ہو؟ اُنہوں نے کہا ہاں! تو شیطان نے کہا کہ ایسا نہ کروں کہ مَیں تمہیں اُس کی تصویر بنا دوں تم اُسے اپنی عبادت گاہ کے قبلہ کی سمت والی دیوار پر لگا دو تا کہ تم اُسے دیکھ کر یاد کرتے رہو۔ (اُس کی تصویر دیکھ کر تمہیں اُس کا تصوّر رہے اور یہی تصوّر تمہاری عبادت میں لُطف اور ذوق کا سبب بنے) اُنہوں نے کہا نہیں نہیں ہم ایسا نہیں کرتے کہ وہ تصویر ہمارے سامنے قبلہ کی طرف ہو اور ہم اُس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھیں (اور اپنی نمازیں خراب کریں) تو شیطان نے کہا کہ مَیں اُسے تمہاری عبادت گاہ میں پچھلی دیوار پر لگا دیتا ہوں تا کہ بوقتِ نماز وہ تمہاری پشت پر رہیں، چنانچہ شیطان نے اُس بزرگ کی تصویر مسجد کی پچھلی دیوار پر بنا دی، جس کو وہ لوگ صرف یاد کرنے کی حد تک دیکھتے تھے۔ لیکن جب وہ بزرگ (باقی بھائی) بھی فوت ہو گئے اور زمانہ گزر گیا تو اُن کی بھی اِسی طرح تصویریں عبادت خانوں میں بن گئیں اور آہستہ آہستہ اللہ کی عبادت چھوڑ کر اُن تصویروں کا سجدہ ہونے لگا، پھر اُن تصویروں کے مطابق مُورتیاں بنالی گئیں اور اُن کی مستقل عبادت شروع ہو گئی، یہاں تک کہ اللہ نے حضرت نوح علیہ السّلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے اُنہیں حق کا پیغام دیا تو اُنہوں نے وہی جواب دیا جس کا ذکر کیا گیا۔

وأخرج ابن ابی حاتم عن عروۃ بن الزبیر ان ودّا کان اکبرھم وأبرّھُم وکانو کُلّھم ابناء آدم علیه السّلام، وروی أنّ ودًّا اوّل معبود من دُون اللّٰه سبحانه و تعالٰی۔

ترجمہ: ابنِ اَبی حاتم نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا کہ ودّ حضرت آدم علیہ السّلام کے بیٹوں میں سب سے بڑا اور نیک تھا، چنانچہ دُنیا میں اللہ کے سِوا سب سے پہلے جس کی عبادت کی گئی وہ ودّ ہی تھا۔ رُوح المعانی ہی کے ایک اور اقتباس کا خلاصۂ مفہوم درج کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے زمین میں اللہ کے سِوا جس کی عبادت کی گئی وہ ودّ ہے۔ اور وہ (ودّ) ایک مسلمان شخص تھا، جس کو اپنی قوم میں بے حد پسند کیا جاتا تھا، پس جب وہ فوت ہو گیا تو اُس کے

چاہنے والے اُس کی قبر کے گرد (جو بابل میں تھی) کھڑے ہو کر رونے لگے۔ جب ابلیس نے اُن کا رونا دھونا دیکھا تو انسانی شکل میں اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھ سے تمہارا یہ غم اور رونا دھونا دیکھا نہیں جاتا، لہٰذا اگر تم کہو تو مَیں اِس فوت ہونے والے (وَدّ) کی تصویر تمہیں بنا دیتا ہوں تم اُسے اپنی مجلس میں سجاؤ اور اِس طرح اُسے یاد کر کے اپنا غم ہلکا کر لیا کرو؟ اُنہوں نے کہا کیوں نہیں ضرور بنا دو۔ تو شیطان نے اُن کے لئے مجلس میں تصویر بنا دی، جسے دیکھ کر وہ اپنا غم غلط کر لیتے تھے۔ آہستہ آہستہ شیطان نے اُن سے کہا کہ اگر کہو تو مَیں تم سب کو اپنے اپنے گھر میں ایک ایک ایسی ہی تصویر بنا دوں، تاکہ تم سب اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر اپنے بزرگ اور محبوب شخصیّت کی یاد تازہ کر لیا کرو؟ چنانچہ اُن کے کہنے پر شیطان نے سب کے گھروں میں تصویریں بنا دیں، جب تک یہ لوگ زندہ رہے، یہ تصویریں صرف یاد کی حد تک رہیں، جب یہ دُنیا سے چلے گئے تو اُن کی اولادوں نے آہستہ آہستہ تعظیم اور پھر عبادت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ اِس طرح تعظیم سے آگے پھر مستقل عبادتِ غیرُاللّٰہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وَدّ وہ پہلا شخص ہے، سب سے پہلے زمین پر اللہ کے سِوا جس کی عبادت شروع ہوئی۔

(تفسیر رُوح المعانی، جلد 15، ص 133,132، مطبوعہ مکتبۂ امدادیہ ملتان)

قارئینِ محترم! یہ ہے عبادتِ غیرُاللّٰہ کا آغاز۔ اب خود سوچئے سب سے پہلے نیک لوگوں کی تذکیر و تعظیم کی نیّت سے تصویریں بنیں، پھر وہ عبادت کی شکل اختیار کر گئیں۔ اب بتائیں کہ جب وُدّ، سُواع اور یَعوق وغیرہ پر لفظِ "مِن دونِ اللّٰہ" کا اطلاق آئے گا تو کیا صرف اِن مُورتیوں اور بُتوں کو "غیرُاللّٰہ" اور "مِن دونِ اللّٰہ" کہا جائے گا یا اِس سے مُراد وہ رجالِ صالحین بھی ہوں گے، جن کی یادگار کے طور پر یہ تصویریں اور بُت بنائے گئے تھے۔

ہم نے اب تک وُدّ، سُواع، یُغوث، یَعوق اور نَسر کی بات کی۔ خاص عرب میں چار اور مشہور بُت بھی تھے۔ لات، منات، عُزّٰی اور ہُبل، اِن معبودانِ باطلہ کا تاریخی پس منظر بھی تقریباً یہی ہے، جو اُوپر بیان ہُوا۔ اب تھوڑی دیر کے لئے عرب میں رواج پانے والی بُت پرستی

کے مُوجد کا مختصر تعارف اور شروعاتِ عبادتِ غیرُ اللّٰہ کا سبب بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اِس فعلِ قبیح اور عقیدۂ مُشرکانہ کی ابتداء کرنے والا پہلا شخص عمرو بن لحی الخزاعی ہے۔

عمرو جب بالغ ہُوا تو اُس نے بنو اسمٰعیل کے ساتھ مِل کر بنی جُرہَم کے ساتھ جنگ کی، اُن کو شکستِ فاش دی اور اُنہیں مکّہ سے جلا وطن کر دیا اور خود خانۂ کعبہ کا متولّی بن گیا اُسے کوئی سنگین نوعیّت کا مرض لاحق ہو گیا۔ کسی نے اُسے بتایا کہ ملکِ شام میں بلقاء کے مقام پر ایک گرم پانی کا چشمہ ہے، اگر تم وہاں جا کر اُس پانی سے غسل کرو تو تم شفایاب ہو جاؤ گے۔ یہ بلقاء پہنچا، اُس چشمہ کے پانی سے غسل کیا اور صحّت یاب ہو گیا۔ وہاں کے رہنے والوں کو اُس نے دیکھا کہ وہ بُتوں کی پرستش کر رہے ہیں، اُس نے اُن سے پُوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ اُنہوں نے بتایا نَسْتَسْقِیْ بِھا المَطر وَ نَسْتَنْصِرُ بھَا عَلَی الْعَدُوِّ کہ ہم اِن کے ذریعہ سے بارش طلب کرتے ہیں اور اِن کے ذریعہ سے دشمن پر فتح حاصل کرتے ہیں۔ اُس نے کہا مجھے بھی اِن بُتوں سے چند ایک بُت دو۔ اُنہوں اُس کو چند بُت دیئے، وہ اُن کو لے کر مکّہ آیا اور خانۂ کعبہ کے اِرد گرد اُنہیں نصب کر دیا۔ اُس روز سے عرب میں بُت پرستی کا آغاز ہُوا۔ (ضیاء النبیؐ، جلد اوّل، ص 314)

مقامِ غور و عبرت ہے کہ غیرُ اللّٰہ کی عبادت کے آغاز کا سب سے بڑا اور پہلا سبب بُتوں کی تعظیم، پھر اُن کے توسّل سے بارش اور فتح کا طلب کرنا تھا۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج   تا ثُریا می رود دیوار کج

اِسی کو کہتے ہیں۔

آخر مُشرکینِ مکّہ جن بُتوں کی پُوجا کرتے تھے اُن بُتوں کا پس منظر کیا ہے؟ یہ لات، منات، عُزّٰی اور ہُبل یہ بھی تو مذہبی بزرگوں کی تصاویر تھیں۔ اوّلاً اُن بزرگوں کا احترام کیا گیا اُنہیں مستقل نافع و ضارّ سمجھا گیا پھر آہستہ آہستہ اُن کی عبادت شروع کر دی گئی۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اُن کی مُورتیاں بنا کر عبادت خانے تعمیر کر کے رکھّی گئیں اور وہ مُورتیاں اُن

بزرگوں کے نام سے پُکاری جانے لگیں اور یُوں عبادتِ غیرُ اللّٰہ رواج پا گئی۔ شائقینِ تحقیق تفسیرِ کبیر اور رُوح المعانی میں سورۂ نجم اور سورۂ نوح کی تفسیر میں یہ مقام مطالعہ فرما کر تسلی کر لیں۔ معلوم ہُوا کہ بُتوں کی عبادت کے رواج کی اصل بھی مذہبی قائدین اور رُوحانی بزرگوں کی بے جا تعظیم اور اُن سے منسوب غلط عقیدت مندی ہے، لٰہذا اگر بُتوں کی عبادت اور مُشرکینِ اصنام کی مذمّت میں آئی ہوئی آیات زمانۂ حال کے اُن نام نہاد مؤمنین و موحدین پر فِٹ کی جائیں، جن کی زبان پر تو لَاالٰہَ اِلّا اللّٰہ ہے مگر ہمہ قسمی نفع و نقصان، عزّت و ذلّت اور تنگی و آسانی اللہ کے بجائے اپنے پیروں فقیروں کی طرف منسوب کرتے اور اُن کی رضا و ناراضگی کے سبب سمجھتے ہیں تو یہ کوئی قیاس مع الفارق یا زیادتی نہیں، بلکہ مزاجِ قرآنی کی عین توضیح و تشریح ہے۔

مثلاً قرآنِ پاک مُشرکین کے ایک مُشرکانہ عمل کو یُوں بیان فرماتا ہے:

فاذا رَكِبُوا فِي الفلكِ دَعَوُا اللّٰه مخلصين لَه الدينَ ج فلما نجّٰهُم اِلى البرِّ اِذَا هم يُشرِكُونَ ○ ترجمہ: پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں، اللہ کو پُکارتے ہیں ایک اُسی پر عقیدہ لا کر پھر جب وہ اُنہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے جبھی شرک کرنے لگتے ہیں۔

(سورۃ العنکبوت آیت 65، پارہ 21، ترجمہ: کنزالایمان)

آج ہمارے اکثر مؤمن کہلوانے والے اِسی دوہرے طرزِ عمل کا شکار ہیں۔ جب ہر طرف سے طوفان اور مصیبتیں گھیر لیتی ہیں تو خالص العقیدہ ہو کر اللہ کو پُکارتے ہیں یا اللہ! بس تُو ہی تُو ہے، تُو بچا لے، تیرے سِوا اور کوئی نہیں۔ لیکن جب بچ کر خشکی پر پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں فلاں بزرگ نے مہربانی کی، مُرشدِ کریم نے کرم فرمایا، غوثِ پاکؒ نے بچا لیا، غریب نوازؒ نے سہارا دیا وغیرہ وغیرہ۔

محررہ بالا مفہوم کو عصرِ حاضر کے معروف محقق علّامہ غلام رسول سعیدی نے اپنی تالیفِ لطیف تبیان القرآن میں بھی تحریر کیا ہے، اُن کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

مصائب اور شدائد میں صرف اللہ کو پکارنا

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا: اور جب ہم مصیبت پہنچنے کے بعد لوگوں کو رحمت کی لذّت چکھاتے ہیں تو وہ اُسی وقت ہماری آیتوں (کی مخالفت) میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔ اب اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ اُن کے اِس مکر کی مثال بیان فرمارہا ہے کہ جب انسان سمندر میں کسی کشتی میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے ہوائیں اُس کے موافق ہوتی ہیں پھر اچانک تیز آندھیاں آتی ہیں، ہر طرف سے طوفانی لہریں اُٹھتی ہیں اور وہ گرداب میں پھنس جاتا ہے اُس وقت اُس کو اپنے ڈوبنے کا یقین ہوجاتا ہے اور نجات کی بالکل اُمید نہیں ہوتی، اُس پر سخت خوف اور شدید مایوسی کی کیفیّت طاری ہوجاتی ہے، جن باطل معبودوں کی وہ اب تک پرستش کرتا آیا تھا، اُن کی بے چارگی اُس پر عیاں ہوجاتی ہے اور کٹر سے کٹر مُشرک بھی اُس وقت اللہ عزّوجلّ کے سِوا اور کسی کو نہیں پکارتا، اور اُس کے علاوہ اور کسی سے دُعا نہیں کرتا، اور جب تمام مخلوق سے اُمیدیں منقطع ہوجاتی ہیں تو وہ اپنے جسم اور رُوح کے ساتھ صرف اللہ عزّوجلّ کی طرف متوجّہ ہوتا ہے اور صرف اُسی سے فریاد کرتا ہے۔

اُمِّ حکیم بنت الحارث عکرمہ بن ابی جہل کے عقد میں تھیں، فتحِ مکّہ کے دن وہ اسلام لے آئیں اور اُن کے خاوند عکرمہ مکّہ سے بھاگ گئے۔ وہ ایک کشتی میں بیٹھے، وہ کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ عکرمہ نے لات اور عزّیٰ کی دہائی دی، کشتی والوں نے کہا اِس طوفان میں جب تک اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کو نہیں پکارو گے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، اللہ کے سِوا اِس طوفان سے کوئی نجات نہیں دے سکتا، تب عکرمہ کی آنکھیں کُھل گئیں، اُنہوں نے دل میں سوچا اگر سمندر میں صرف اللہ فریاد کو سُنتا ہے تو خشکی میں بھی اُس کے سِوا کوئی کام نہیں آسکتا، اُنہوں نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے مجھے اِس طوفان سے بچا لیا تو پھر سیدھا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اسلام قبول کرلوں گا، پھر اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ (دلائل النبوۃ ج 5 ص 98، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1410ھ)

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے بیٹے! مَیں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں تم اللہ (کے احکام) کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ (کی رضا) کی حفاظت کرو تم اُس (کی رحمت) کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو صرف اللہ سے مدد طلب کرو۔ (الحدیث) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: 2516 مسند احمد ج1 ص293، 303، 307، المعجم الکبیر رقم الحدیث: 12988، 12989 مشکوٰۃ رقم الحدیث: 5302، عمل الیوم واللّیلہ لابنِ السنی رقم الحدیث 425 شعب الایمان رقم الحدیث 174، 195 الآجری رقم الحدیث 198 المستدرک ج3 ص541 حلیۃ الاولیاء ج1 ص314 کتاب الآداب للبیہقی رقم الحدیث 1073)

جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو کیونکہ تمام عطاؤں کے خزانے اُسی کے پاس ہیں اور تمام داد و دہش کی کُنجیاں اُسی کے قبضہ میں ہیں، اور دُنیا اور آخرت کی ہر نعمت وہی بندوں تک پہنچاتا ہے اور دُنیا اور آخرت کی ہر بلا اور مصیبت اُسی کی رحمت سے دُور ہوتی ہے، اور اُس کی عطا میں کسی غرض اور کسی سبب کا شائبہ نہیں ہے کیونکہ وہ جوادِ مُطلق اور بے نہایت غنی ہے سو صرف اُسی کی رحمت کا اُمید وار ہونا چاہیئے اور صرف اُسی کے غضب سے ڈرنا چاہیئے اور تمام مہمات اور مشکلات میں اُسی کی پناہ حاصل کرنی چاہیئے اور تمام حاجات میں اُسی پر اعتماد کرنا چاہیئے اور اُس کے غیر سے سوال نہ کیا جائے، کیونکہ اُس کا غیر دینے پر قادر ہے نہ روکنے پر، دفعِ ضرر پر قادر ہے نہ تحصیلِ نفع پر کیونکہ وہ خود اپنی جانوں کے لئے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں، نہ موت اور حیات کے مالک ہیں نہ روزِ قیامت اُٹھانے کے مالک ہیں اور زبانِ حال سے اور زبانِ قال سے کسی وقت بھی اللہ سے سوال کرنے کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اُس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث 3363 مشکوٰۃ رقم الحدیث 2238)

سوال کرنے میں انکسار کے طریقہ کا اظہار ہے اور عجز کی سمت کا اقرار ہے اور رنج اور فاقہ کی پستی سے قوّت اور طاقت کی بُلندی کی طرف افتقار ہے، کسی نے کہا ہے کہ بنو آدم سوال کرنے سے غضب ناک ہوتے ہیں اور اللہ عزّوجلّ سوال نہ کرنے سے غضب ناک ہوتا ہے اور جب تم دُنیا اور آخرت کے کسی بھی کام میں مدد طلب کرنے کا ارادہ کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو کیونکہ ہر زمانے میں اور ہر مقام پر اُسی سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اُسی پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج 10، ص 54، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان 1390ھ)

پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفیٰ 1418ھ لکھتے ہیں:

علّامہ قرطبی نے یہاں بڑے نکتہ کی بات رقم فرمائی ہے کہ نفسیاتِ انسانی کے اِس تجزیہ سے معلوم ہُوا کہ یہ چیز انسانی فطرت میں رکھ دی گئی ہے کہ جب تکالیف کے مہیب سائے اُسے گھیر لیتے ہیں تو اُس کے دل میں اُس وقت صرف اپنے ربِ حقیقی کا ہی خیال پیدا ہوتا ہے اور اُسی کے دامنِ رحمت میں پناہ کی اُمید بندھتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مضطر اور پریشان حال کی التجا قبول فرماتا ہے خواہ وہ کافر ہی ہو کیونکہ اُس وقت جھوٹے سہارے ختم ہو چکتے ہیں اور صرف اُسی (اللہ تعالیٰ) کی رحمت کا سہارا باقی رہ جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن ج 2، ص 291، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 2، 1402ھ)

(تبیان القرآن ج 5، صفحہ 347-348، مطبوعہ رُومی پبلی کیشنز، لاہور)

اِسی مضمون کو سورۂ رُوم کی آیت نمبر 33، پارہ 21 میں یُوں بیان کیا گیا:

واذا مسّ النّاس ضُرٌّ دَعَوا ربّهم مّنيبينَ اِلَيهِ ثمّ اِذَا أَذا قَهُم مّنه رحمةً اِذَا فريقٌ مّنهم برَبّهم يُشرِكُون٥

ترجمہ: اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پُکارتے ہیں اُس کی طرف رجوع لاتے ہوئے پھر جب وہ اُنہیں اپنے پاس سے رحمت کا مزہ دیتا ہے، جبھی اُن میں سے ایک گروہ اپنے ربّ کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

کیا یہ دونوں آیتیں ہم میں سے اکثر سنّی کہلوانے والے محبّانِ بزرگانِ دین کے نظریۂ وفکر اور طرزِ عمل کی نشاندہی نہیں کر رہیں؟

بارہا مشاہدہ میں آیا کہ جب کسی خوش عقیدہ اور زائد از ضرورت عقیدت مند کو کوئی فائدہ پہنچتا، یا خوشی نصیب ہوتی ہے تو فوراً کہہ اُٹھتا ہے کہ یہ میرے مُرشد کا کرم ہے۔ لیکن جب کوئی مصیبت اور تکلیف آ دبوچتی ہے تو کہنے لگتا ہے اللہ کی مرضی ایسے ہی تھی، یہ اللہ کی طرف سے مصیبت آئی ہے، خُدا کی مرضی وغیرہ کے الفاظ بولتا ہے۔ حالانکہ قرآن اِس طرزِ عمل کی نفی کر کے اعلان کرتا ہے۔

مَااَصابَكَ مِن حَسَنةٍ فمِنَ اللّٰهِ ومَا اصابَكَ مِن سيّئةٍ فمن نّفسِك ۝ [1]

ترجمہ: تجھے جو بھی بھلائی (فائدہ) پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی (نقصان) پہنچے وہ تیرے اپنے نفس کی نالائقی (شامتِ اعمال) کے سبب ہے۔

دیکھیں یہی باتیں مُشرکینِ اصنام میں تھیں اور یہی آج کے اکثر عقیدت مند مسلمان کہلوانے والوں میں ہیں تو کیا اِن پر وہ آیات خود فٹ نہیں آ رہیں؟

اربابًا مِن دونِ اللّٰہ کا اطلاق

بعض درگاہی ملّاؤں اور خانقاہی زلّہ خواروں کا کہنا ہے کہ ہم اپنے مشائخ اور علماء کو معبود تو نہیں سمجھتے، ہم اُن کی عبادت تو نہیں کرتے، پھر ہمیں کیوں مُوردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ آیئے ہم یہ کیس (Case) دربارِ رسالت میں پیش کرتے ہیں، تاکہ آپؐ اِس کا فیصلہ فرما دیں کہ کیا علماء و مشائخ پر بھی اربابًا مِن دونِ اللّٰہ کے الفاظ کا اطلاق کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اِس سلسلہ میں ایک روایتِ معتبرہ ملاحظہ ہو۔

عن عدی بن حاتم قال: اتیت رسول اللّٰہ و فی عنقی صلیب من ذھب فقال یا عدی اطرح عنك ھذا الوثن وسمعته یقراء فی سورۃ براءۃ "اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابًا من دون اللّٰہ فقلت له یا رسول اللّٰہ لم یکونوا

يعبدونهم فقال رسول اللّٰه۔ اليس يحرّمون ما احلّ اللّٰه تعالیٰ فيحرّمونهٗ' ويحلّونَ ما حرّم اللّٰه فيستحِلّون۔ فقلتُ بلى قال ذالك عبادتهم۔

ترجمہ: حضرت عدیؓ بن حاتم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مَیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہُوا جبکہ میری گردن میں ایک سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے عدی! اِس بُت کو اپنے سے اُتار پھینکو اور مَیں نے یہ سُنا کہ آپؐ سورۂ براءۃ کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ "جن لوگوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا"۔ پس مَیں نے عرض کی اے اللہ کے پیارے رسول! وہ لوگ (یہود و نصاریٰ) اپنے بزرگوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کیا وہ بزرگ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہیں کرتے تھے اور یہ معتقد اُنہیں حرام تسلیم کر لیتے تھے اور کیا وہ بزرگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں کرتے تھے؟ اور یہ اُنہیں حلال مان لیتے تھے۔ مَیں نے عرض کی یارسولؐ اللہ! ایسا تو ہے۔ پس آپؐ نے فرمایا یہی تو عبادت ہے۔

(ملاحظہ ہو رُوح المعانی الجزء العاشر، مطبوعہ ادارہ المنیریہ)

جن حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جن آیات میں اصنام کو خطاب کیا گیا، اُن آیات کو انبیاء و اولیاء پر منطبق کرنا نہ صرف جہالت ہے، بلکہ تحریفِ قرآنی ہے۔ وہ ہماری تحقیق بھی ذہن نشین کر لیں کہ غیرُ اللّٰه، مِن دونِ اللّٰه، شريك اور انداد کے الفاظ قرآن میں جہاں بھی آئے ہیں، اُن سے مُراد ہر وہ چیز ہے، جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہو اور جو وصول الی اللہ میں رکاوٹ بنتی ہو۔ اگر اصنام رکاوٹ بن رہے ہوں تو اِن الفاظ سے مُراد اصنام ہوں گے اور اگر انسان بن رہے ہوں تو انسان مُراد ہوں گے۔ ہم نے اِس کے ثبوت میں قرآنِ مجید سے کئی مثالیں پیش کی ہیں اور مزید بھی پیش کر سکتے ہیں۔ مثلاً اِنّ كثيرًا مِّن الاحبارِ والرّهبانِ ليأكلون اموالَ النّاسِ بالباطلِ اور وَالّذين يكنزون الذّهب......الخ سے مُراد اصنام تو نہیں، انسان ہیں اور وہ بھی عام انسان نہیں، بلکہ وہ اُس طبقہ کے انسان جو انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ

انجام دیتے ہیں اور وہ دُنیوی و مذہبی رہنما ہیں۔ گویا اِس آیت کے مطابق اگر کوئی عالم یا شیخ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن رہا ہے تو وہ یصدون عن سبیل اللّٰہ کے زُمرے میں آئے گا۔ پس ایسا شخص غیرُ اللّٰہ، من دون اللّٰہ، شریك اور انداد کے الفاظ کا مصداق ٹھہرے گا۔ معلوم ہُوا کہ جو چیز بھی اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنے وہ غیرُ اللّٰہ ہے، چاہے وہ اصنام ہوں یا کوئی انسان۔ کیونکہ اصنام کو اِس لئے شریك، من دون اللّٰہ، غیرُ اللّٰہ اور انداد کہا گیا ہے کہ وہ صرف انسانوں کی گمراہی کا باعث اور اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اگر اصنام رکاوٹ بننے کے بجائے اپنی زبان سے بول کر یہ کہہ سکتے کہ ہم لائقِ پرستش ہرگز نہیں ہیں، ہم معبود بننے کے مستحق نہیں، ہمیں پُوجنے والو! ہم تم سے براءت کا اظہار کرتے اور تم سب پر لعنت بھیجتے ہیں اور ہم سب مل کر لاالٰہ الّا اللّٰہ محمدرّسول اللّٰہ کا کلمہ پڑھتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اصنام کے لئے قرآن میں وہ الفاظ نہ فرماتا، جن کا ابھی اُوپر ذکر کیا گیا۔ لیکن چونکہ اصنام تو جامد و ساکت ہیں اور قُدرت نے اُن کو انسان کا شعور اور زبان نہیں دی ہے۔ اِس لئے اُن کو مخاطب کرنے سے زیادہ اُن کے پجاریوں سے خطاب فرمایا اور اصنام کی تذلیل صرف اِس لئے فرمائی کہ وہ انسانوں کی گمراہی و ضلالت کا باعث بنتے ہیں۔ تذلیلِ اصنام مقصود بالذّات نہیں، دراصل اُن کی تذلیل کے پردے میں اُن کے پجاریوں کو ذلیل کرنا مقصود ہے اور یہ بھی کہ اصنام کی تذلیل سے اُن کے پجاریوں کے ذہن کو اذیت پہنچے گی، ورنہ بے رُوح اور بے شعور مُورتیوں کو کوسنے سے کیا فائدہ؟ معلوم ہُوا کہ جو چیز گمراہی کا سبب بنے اور اللہ کے راستے سے روکے وہ غیرُ اللّٰہ اور من دون اللّٰہ ہے، چاہے وہ بُت ہوں یا کوئی انسان۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ومن الناس من یتخذ من دون اللّٰہ اندادا کے تحت لکھتے ہیں "اور بعض لوگ ہیں کہ بناتے ہیں اللہ کے سوا شریک۔ اندادًا سے مُراد یا تو بُت ہیں اور یا وہ رؤساء ہیں، جن کی اطاعت میں کفّار کو دین کی بالکل پروا نہ تھی اور یا وہ ہر چیز مُراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک دے خواہ وہ کچھ بھی ہو"۔ ملاحظہ ہو تفسیرِ مظہری،

جلد اوّل، ص229۔ اگر یہ کہا جائے کہ اولیاء و انبیاء تو اللہ کے راستے کی طرف بلاتے ہیں روکتے نہیں تو پھر یہ کس طرح غیرُ اللّٰہ اور من دون اللّٰہ قرار پاسکتے ہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم اُنہیں اصنام کی طرح بے جان اور بے بس نہیں سمجھتے، بلکہ اُن کی شان تو یہ ہے کہ اُن کی طرف اگر کوئی ایسا امر منسوب کر دیا جائے، جو خاصۂ ذاتِ باری ہو تو یہ ایسا کرنے والے پر فوراً اگر فت فرما کر اُسے توبہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور سب کے سامنے ایسے عقائد رکھنے سے خود روکتے ہیں، جن کی اجازت وحیِ الٰہی نے نہ دی ہو۔ اِس لئے ہم بجا طور پر انبیاء، اولیاء اور علمائے راسخین کو اصنام کی صف میں کھڑا نہیں کر سکتے اور نہ ایسا کرنے کے حق میں ہیں۔ البتہ اُن کے اِس سارے تبلیغی عمل اور اِس خدمتِ مسلسل کے باوصف بھی اِن عالی طبقات کو اللہ نہیں کہا اور نہیں سمجھا جاسکتا۔ بلکہ غیرُ اللّٰہ اور من دونِ اللّٰہ ہی کی صف میں آئیں گے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ اگر انبیاء اور اولیاء ہی کے ساتھ اصنام والا سلوک شروع کر دیا جائے، مثلاً اُن کی عبادت کی جانے لگے۔ اُن کو سجدہ کیا جائے اور اُن کے ساتھ ایسے عقائد وابستہ کر دیئے جائیں، جن کی وحیِ الٰہیہ میں ممانعت ہو تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو اِس کی اجازت دے گا، یا خود انبیاء علیہم السّلام اور اولیائے اُمّت ایسا کرنے والوں کی حمایت کریں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ سب سختی سے اِس کی مخالفت کریں گے تو پھر یہ بات کُھل کر سامنے آگئی کہ انبیاء ہوں یا اولیاء یا کوئی اور انسان ہو، جس کے ساتھ بھی اصنام کے پرستاروں والے عقائد وابستہ کر دیئے جائیں، وہ انسان ہوتے ہوئے خود بخود اصنام کی صف میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر بطریقِ اولیٰ غیرُ اللّٰہ اور من دونِ اللّٰہ کے الفاظ کی زد میں اُسی طرح آتا ہے، جس طرح اصنام آتے ہیں۔ جیسا کہ جناب عیسٰی اور عُزیر علیہما السّلام کے سلسلے میں قرآنِ مجید نے اُن کے پرستاروں کے عقائدِ باطلہ کی کُھلے الفاظ میں تردید فرمائی اور اُنہیں من دونِ اللّٰہ میں شمار کیا۔ اگر عیسٰی و عُزیرؑ کو اپنے ہی حکم میں رکھتا یعنی درجۂ اُلوہیت میں اپنا شریک بنالیتا تو اُن کے عقیدت مندوں کے عقائدِ باطلہ کو یُوں رد نہ فرماتا اور جنابِ عیسٰیؑ کے لئے

أأنت قلت للنّاس اتّخذونی وَامی اِلٰهینِ مِن دُونِ اللّٰه......الخ کا خطابِ عتاب آمیز نہ فرماتا۔

مزید برآں دیکھیں کہ جب قیامت کے دن مُشرکین و کافرین داورِ کونین کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے پُوچھے گا کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے (عیسٰی کو) اور میری ماں مریمؑ کو معبود بنا کر پُوجو؟ یہاں اللہ تعالیٰ حضرت عیسٰی اور مریم علیہما السّلام کے لئے لفظِ من دُونِ اللّٰه استعمال فرما رہا ہے، معلوم ہُوا کہ جب مسئلہ اثباتِ توحید اور نفیٔ شرک میں کلام ہو تو ہر وہ چیز جس کی پُوجا کی جاتی رہی ہو، چاہے وہ پرستش شُدہ چیز اُس پر راضی ہو یا نہ، اُس کو من دُونِ اللّٰه کہا جائے گا۔ اگر وہ چیز یا وہ شخص اُس پرستش پر راضی تھا تو پھر حصَبُ جهنّمَ کے بدنصیب گروہ سے ہو گا ورنہ اولٰئك عنها مُبعدُون کے خوش نصیب زُمرے میں ہو گا۔

جو لوگ ابھی تک بضد ہیں کہ من دُونِ اللّٰه کا لفظ مقبولانِ خُدا پر استعمال نہیں ہو سکتا کیا وہ بہ اعتبارِ مرتبہ پیروں فقیروں کو سیدنا عیسٰی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں؟ نعوذباللّٰه من ذالك۔

بلکہ لفظِ دُونَ کے معنٰی ہی اِس چیز کا تقاضا کرتے ہیں کہ جب اِس کا مضاف الیہ لفظِ اللہ ہو تو پھر ساری مخلوق من دُونِ اللّٰه میں آ سکتی ہے۔ مشہور و مستند لُغت لسان العرب میں دُونَ کی تشریح اِس طرح کی گئی ہے۔ دُون نقیض فوق: کہ دُون، فوق کا متضاد و نقیض ہے جب فوق کے معنٰی اُوپر کے ہیں تو لامحالہ دُونَ کے معنٰی نیچے کے ہوں گے۔ لٰہذا ہر وہ چیز جو اللہ سے مقام و مرتبہ میں نیچے ہے وہ دُونِ اللّٰه ہے۔ اور دُونَ کے دُوسرے معنٰی الحقیر و الخسیس کے ہیں ظاہر ہے کہ اُس بادشاہِ ہر دو عالم کے برابر کوئی بھی نہیں، لٰہذا دُونِ اللّٰه کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ صاحبِ لسان العرب آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وقال بعض النّحويّين: لدون تسعة معانٍ کہ دُونَ کے نو (9) معانی ہیں۔ تکون بمعنٰی قبل و بمعنٰی اَمامَ و بمعنٰی وراء و بمعنٰی تحت وبمعنٰی

فوق ......الخ ہم نے تحت والے معنٰی اِس لئے چُنے کہ اُس ذات کے اُوپر کوئی نہیں اگر اُس سے اُوپر کچھ تسلیم کیا جائے تو یہ کُفرِ صریح ہو گا۔ لہٰذا تحت کی مثال لسان العرب میں یُوں ہے وبمعنٰی تحت کقولِك دُون قدمِك خدّ عدّوك أی تحت قدمِك۔ کہ تیرے دشمن کا رُخسار تیرے پاؤں کے نیچے ہے۔ یہاں اگرچہ اُوپر نیچے ظرفیّت و مکان کے معنٰی میں ہے، لیکن چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ ظرفیّت و مکان سے پاک ہے لہٰذا اِس کے لئے یہ معنٰی ہوں گے کہ مرتبہ، عزّت اور شان کے لحاظ سے کائنات کی ہر شے دُون اللّٰه (اللہ سے نیچے) ہے۔ لہٰذا بہ شمولِ برگزیدہ شخصیّات، اصنام، معبودانِ باطلہ اور مُشرکین کے ہر چیز من دُونِ اللّٰه ہے۔

یہاں ایک حدیث شریف بھی بطورِ مثال پیش کی جاتی ہے۔ غور فرمائیں، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا: اِنّ اٰدَمَ وَمَن دُونَہٗ تحتَ لواء ی یومَ القیٰمَۃِ......الخ

ترجمہ: بے شک آدمؑ اور آپ کے علاوہ (تمام عالمِ انسانیّت) قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے یہاں ومَن دُونَہٗ کے لفظ سے دو مفہوم سامنے آتے ہیں۔ نمبر1۔ دُون بمعنٰی علاوہ یعنی حضرت آدم علیہ السّلام اور آپ کے علاوہ اور بھی جتنے انسان ہیں، چاہے کوئی ہوں وہ آپؐ کے جھنڈے تلے ہوں گے، یہاں ضمناً ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دُون کے معنٰی عالمِ انسانیّت کرنے سے تو کفّار بھی جھنڈے کے نیچے آگئے جبکہ وہ تو جہنّم میں جائیں گے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں جھنڈے کا مفہوم یہ ہے کہ اُس دن سب مخلوق آپؐ کے تابع ہو گی۔ آپؐ کے پیچھے چلے گی، جو دُنیا میں آپؐ کو نہیں مانتے تھے، آج وہ بھی پہچانیں گے، مانیں گے اور مقامِ محمود پر آپؐ کو تشریف فرما دیکھ کر تعریف و توصیف کرنے لگیں گے۔ کیونکہ مقامِ محمود کی تعریف میں مندرجہ ذیل دو جملے کُتبِ شروحاتِ حدیث میں آتے ہیں، یَحمدُ بہِ الاوّلون والآخرون! آپؐ کو اُس مقام پر جلوہ گر دیکھ کر اوّلین و آخرین سب مخلوق آپؐ کی تعریف کرے گی۔ یغبط بہِ الاوّلونَ وَ الآ خرونَ: آپؐ کو اُس مقامِ رفیع پر فائز المرام دیکھ کر سب مخلوق آپؐ پر رشک کرے گی۔ بلکہ عشّاق کے نزدیک تو انعقادِ بزمِ محشر

کا سبب بھی یہی ہے کہ جن لوگوں نے آپؐ کو راہِ وفا، راہِ اسلام اور راہِ خدا میں اذیّتیں دیں اور آپؐ کو ذلیل کرنے کی کوششیں کیں، آج اُن سب کو جمع کر کے آپؐ کی عزّت و رفعت اور عنداللہ قدر و منزلت دِکھا کر اعلانِ عام کیا جائے گا کہ اے دُنیا سے آنے والو! دیکھو جو لوگ، ہماری راہ میں ذلّتیں برداشت کرتے ہیں ہم اُن کو یُوں عزّتیں دیتے ہیں اور یُوں اُن کی عزّت کو زمانے سے منواتے ہیں، لہٰذا یہی مقصد ہے قیامت کا دن مقرّر کرنے کا، بقولِ حسن رضا بریلویؒ ؎

فقط اِتنی غرض ہے انعقادِ بزمِ محشر سے
کہ اُن کی شانِ محبوبی دِکھائی جانے والی ہے

چنانچہ ایک اور حدیث شریف بھی اِسی مضمون کو بیان کرتی ہے آپؐ نے فرمایا أنا الحاشر الّذی یحشرُ النّاس علٰی قدمیّ: میں وہ حاشر ہُوں کہ لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ یہاں لفظِ ناس سب انسانوں کو شامل ہے، لہٰذا مؤمن و کافر سب اِس میں آگئے۔ اگر کفّار کے مخلوقِ خُدا ہونے کے باوجود اُن کا کافر ہونا اور جہنّم میں جانا باری تعالیٰ کی شانِ خالقیّت ہونے پر اثر انداز نہیں ہوسکتا، اُسی طرح کفّار کا آپؐ کے جھنڈے کے نیچے ہونے کے باوجود کافر ہونا آپؐ کی عظمت میں سرِمُو فرق پیدا نہیں کرسکتا۔

نمبر2- دُونَ بمعنی نیچے ہے کہ سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ ہیں اُن کے نیچے بہ ترتیبِ زمانی جتنے انسان ہیں وہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے یا اُن کے نیچے حسبِ ترتیبِ نبوّت و ترتیبِ زمانی جتنے بھی نبی ہوں گے، وہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

واضح ہو گیا کہ دُونَ بمعنی علاوہ یا بمعنی نیچے کرنے سے ساری مخلوق پر لفظِ مِن دُونِ اللّٰہ کا اطلاق کیا جاسکتا ہے اور اِس میں کوئی گستاخی کا پہلو نہیں نکلتا۔ ہاں البتہ اِس قدر فرقِ مراتب ضرور ملحوظ رہے کہ مقبولانِ خُدا کیونکہ کبھی شرک پر راضی نہ ہوئے، نہ اُنہوں نے کسی کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔ لہٰذا عنداللہ اُن کا مرتبہ مسلّم ہے۔ اگر اُن کے نہ چاہتے ہوئے

اُنہیں کسی نے ابن اللہ کہا یا اُن کی مُورتیاں اور اُن کی تصویر بنا کر اُنہیں پُوجا گیا تو وہ یقیناً کسی قسم کے عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے' البتہ جلالِ خُداوندی کے تحت اُن سے بھی پُوچھ گُچھ ضرور ہو گی اور وہ اِسی خیال سے لرزہ براندام ہوں گے کہ کہیں اُن کے جاہل معتقدین کی کارستانیوں کے سبب وہ عتابِ الٰہی کی زد میں نہ آجائیں' جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے مکالمہ کا ذکر ابھی چند صفحات پہلے ہُوا۔ کیونکہ بہ فحوائے حدیث شریف وہ ذات حد درجہ غَیور ہے اور اُس کی غیرت کسی قسم کی شراکت و شرکت برداشت نہیں کرتی۔ وہ اغنَی الشرکاء (سب شریکوں سے بے نیاز) بھی ہے اور اغیَرُ من الخلق (سب سے زیادہ غیرت مند) بھی ہے۔ لہٰذا مقبولانِ خُدا بھی اِسی ڈر سے تھر تھر کانپ رہے ہوں گے کہ کہیں ہمارے بے وقوف پجاریوں کی وجہ سے ہم زیرِ عتاب نہ آجائیں۔ اِسی بات کو میاں محمد بخشؒ کھڑی والوں نے اِن الفاظ میں بیان کیا......ع

عدل کریں تے تھر تھر کنبن اُچیاں شاناں والے

جن لوگوں کا خیال ہے کہ مِن دُونِ اللّٰہ سے مُراد صرف بُت ہیں' انسان نہیں' وہ غلطی پر ہیں' کیونکہ عرب تہذیب میں وہ بُت پرستی کا دَور تھا اور مُشرکین مختلف بُتوں کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے تھے۔ کیونکہ اُس وقت کسی انسان سے بعدِ وفات مدد مانگنے اور حاجات طلب کرنے کا دستور ہی نہیں تھا' اِس لئے اکثر و بیشتر آیات میں مِن دُونِ اللّٰہ سے مُراد اصنام ہیں۔ اگر اُس زمانے میں بھی بعدِ وفات کسی سے حاجات طلب کرنے کا رواج ہوتا تو یقیناً قرآنِ مجید اِس کی نفی بھی فرما دیتا۔ چونکہ مُشرکین مکّہ کے متعلّق یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتی کہ وہ کسی ایسی شخصیّت سے اپنی حاجات طلب کرتے یا مدد مانگتے تھے' جو وفات پا چکی ہوتی تھی' گویا یہ عمل اُس وقت کے مُشرکین میں بھی رائج نہ تھا۔ البتّہ وہ ذہنی طور پر اِس قدر پست ہو چکے تھے کہ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بُتوں کو قاضی الحاجات سمجھتے اور اُن کو مدد کے لئے پکارا کرتے تھے۔

مِن دُونِ اللّٰہ کے اطلاق پر ایک اور قرآنی دلیل

کچھ سطور پہلے ہم نے ایک قاعدہ اور کلّیہ بیان کیا کہ جہاں کتابُ اللہ میں نفیِ شرک اور اثباتِ توحید کا بیان ہو رہا ہو وہاں غیرُ اللّٰہ یا مِن دُونِ اللّٰہ کے الفاظ میں ہر وہ شے اور ہر وہ شخصیّت آجاتی ہے، جس کی عبادت کی جاتی ہو، کی جارہی ہو یا کیے جانے کا امکان ہو، چاہے وہ اصنام ہوں یا برگزیدہ بندے، اور اِس پر ہم نے سورۂ مائدہ کی ایک آیت بطورِ شہادت پیش کی، جس میں حضرت عیسٰی و مریم سلامُ اللہ علیہما کے بارے اتخذونی و اُمّی الهین من دونِ اللّٰہ کے الفاظ آئے ہیں۔ اب ذیل میں ایک اور آیت مع ترجمہ اور شانِ نزول درج کی جارہی ہے، تاکہ ہمارا موقف قرآنِ مجید کی روشنی میں اظہر من الشّمس ہو جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ماکان لبشرٍ ان یؤتیه اللّٰه الکتاب و الحکم والنبوة ثم یقول للنّاس کونوا عبادا لی من دون اللّٰه ولکن کونوا ربّانیّین بما کنتم تعلّمون الکتاب و بما کنتم تدرسون۔ ولا یأمرکم ان تتخذوا الملئکة والنبیّین اربابا۔ أیأمرکم بالکفر بعد اذأنتم مسلمون۔

ترجمہ: کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اُسے کتاب، حکم اور پیغمبری دے اور پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ، ہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ والے ہو جاؤ اِس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اِس سے کہ تم درس دیتے ہو اور نہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خُدا ٹھہرالو، کیا تمہیں کُفر کا حکم دے گا بعد اِس کے کہ تم مسلمان ہو چکے۔

اِس آیت کے تحت تفسیرِ خازن میں ہے۔ قیل ان نصاری نجران قالوا ان عیسی أمرهما أن یتخذوه ربًّا فقال اللّٰه تعالیٰ رَدًّا علیهم ماکان لبشرٍ یعنی عیسی علیه السلام أن یؤتیه اللّٰه الکتاب یعنی الانجیل وقال ابن عباس فی قوله تعالیٰ ماکان لبشرٍ یعنی محمد صلی اللّٰه علیه وسلّم أن یوتیه اللّٰه

الکتاب یعنی القرآن و ذالك ان أبارافع من الیهود والسیدمن نصاری نجران قالا یامحمد ترید ان نعبدك و نتخذك ربا قال معاذ اللّٰه أن آمر بعبادة غیراللّٰه ومابذلك أمرنی اللّٰه و مابذلك بعثنی فأنزل اللّٰه هذه الآیة۔

ترجمہ: نجران کے نصاریٰ نے کہا کہ ہمیں حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے حکم دیا ہے کہ ہم اُنہیں ربّ مانیں، اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِس قول کی تردید و تکذیب کی اور بتایا کہ انبیاء علیہم السّلام یعنی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی شان یہ نہیں کہ وہ ایسا کہیں، حالانکہ اُنہیں اللہ نے انجیل عنایت فرمائی اور حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما نے اِس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان کے ایسا مناسب نہیں کہ اُنہیں اللہ تعالیٰ قرآن جیسی کتاب بھی عنایت فرمائے اور وہ ایسا کہیں۔ اِس آیت کے شانِ نزول میں دُوسرا قول یہ بھی ہے کہ ابو رافع یہُودی اور سیّد نصرانی نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہا یا محمد! آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپؐ کو ربّ مان لیں، حضوؐر نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ مَیں غیرُ اللّٰہ کی عبادت کا حکم دوں، نہ مجھے اللہ نے اِس کا حکم دیا اور نہ مجھے اِس لئے بھیجا۔

مقامِ غور ہے کہ اِس آیت میں جب نصاریٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی طرف ایک جھوٹ منسوب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے جھوٹ کی تردید فرماتے ہوئے ایک قانون اور ضابطہ بیان فرما دیا کہ کسی ایسے جلیل القدر انسان سے کہ جس کو ہم نے کتاب، حکمت اور نبوّت عطا فرمائی، ایسی بات صادر ہو، جس کو نہ عقلِ سلیم تسلیم کرے اور نہ ہی نقلاً اِس کا کہیں کوئی ثبوت ہو۔ کیونکہ یہ تینوں مذکورہ بالا نعمتیں اِس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ وہ انسان نہایت ذہین، بیدار مغز اور ہادی و مہدی ہو، جو فطرت کے تمام اُصولوں اور تقاضوں کا ادراک بھی رکھتا ہو، تو یہ کب ممکن ہے کہ ایسا انسان بجائے اِس کے کہ خود بھی اپنے محسن و مالک اللہ کی بارگاہ میں سربسجود رہے، اپنی اُمّت کو یہ درس دے کہ تم بجائے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے میری عبادت کرو۔ اِسی بات کو رد کرتے ہوئے اللہ جلّ شانہٗ نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔

آیت میں حُسنِ ترتیب

تفسیرِ کبیر میں اِسی آیت کی تفسیر میں مذکورہ بالا تین صفات (کتاب، حکم اور نبوّت) کی غایتِ حُسنِ ترتیب یُوں مرقوم ہے۔ قوله (ان يؤتيه اللّٰه الكتاب والحكم والنبوة) اشارة الى ثلاثه اشياء ذكر ها علىٰ ترتب فى غاية الحسن' وذلك لان الكتاب السماوى ينزل اوّلا ثم انه يحصل فى عقل النبى فهم ذٰلِك الكتاب وأليه الاشارة بالحكم ' فانّ اهل اللغة والتفسير اتّفقوا على أن هذا الحكم هوالعلم' قال تعالىٰ (وآتيناه الحكم صبيا) يعنى العلم و الفهم' ثم اذا حصل فهم الكتاب' فحينئذ يبلغ ذالك الى الخلق وهو النبوة فمأ احسن هذا الترتيب۔

ترجمہ:اِس ارشادِ قرآنی (ماكان لبشر) میں تین چیزوں کی طرف اشارہ ہے اور اِنہیں نہایت حسین ترتیب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اوّلاً کتاب کا ذکر ہُوا کیونکہ پہلے نبی پر آسمانی کتاب نازل ہوتی ہے' ثانیًا حکم کو رکّھا گیا کیونکہ پھر نبی کے عقل و ذہن میں اِس کتاب کی سمجھ آتی ہے' اِسی حاصل ہونے والی سمجھ کو حکم سے تعبیر کیا گیا۔ اِس لئے کہ لُغت اور تفسیر والے اِس بات پر متّفق ہیں کہ اِس حکم سے مُراد (وہ قوّتِ عاقلہ ہے جو حق و باطل میں تمیز کے فیصلے کا ملکہ کہلاتی ہے) علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ ہم نے اُس کو بچپنے میں علم و فراست عطا کی۔ ثالثًا نبوّت کا ذکر کیا گیا' کیونکہ جب اُس نبی بننے والی شخصیّت کو فہمِ کتاب حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اُس کتابِ آسمانی کو مخلوقِ خُدا تک کماحقّہٗ پہنچا سکتا ہے۔ اِس ابلاغ اور پہنچانے کو نبوّت کہا جاتا ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس حُسنِ ترتیب سے اِن مذکورہ تینوں صفات کا بیان کیا ہے۔

ثابت ہُوا کہ منصبِ رسالت ایسا نہیں کہ ہر شخص کو مل جائے' بلکہ اللّٰہ اعلم حيث يجعل رسالته کے مطابق جس میں مکمّل اہلیّت ودیعت کرتا ہے اُسے ہی نبوّت عطا ہوتی

ہے۔ پھر جس کو شرفِ انسانی کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا صفاتِ مخصوصہ بھی عنایت ہوں وہ بھلا ایسی بات کب کر سکتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کے دروازے پر جُھکانے کے بجائے اپنے آگے جُھکنے کا حکم دے، بلکہ اُس کا تو منشور ہی یہ ہوتا ہے کہ ساری مخلوق اپنے خالق و مالک کے آگے سر بہ سجود ہو، اِسی لئے قرآن فرماتا ہے کہ صاحبِ کتاب و نبوّت شخصیّت تو لوگوں کو یہ کہتی ہے کُونوا ربّانیّن، تم اللہ والے بن جاؤ۔

ربّانیّن کون ہیں؟

ربّانیّن کی تفسیر میں امام فخرالدّین رازیؒ تفسیرِ کبیر میں فرماتے ہیں کہ الرّبانی کی تفسیر میں متعدّد اقوال ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ قال سیبویه: الربّانی المنسوب الی الربّ، بمعنی کونهٗ عالما به، مواظباعلیٰ طاعته، کما یقال ألٰهی اذاکان مقبلا علی معرفة الاله و طاعته و زیادة الالف والنون فیه للدلالة علی کمال هذه الصفة...... الخ

ترجمہ: امام سیبویہ نے کہا کہ ربّانی ربّ کی طرف منسوب ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلّق علم رکھنے والا اور اُس کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم رہنے والا، جس طرح کہا جاتا ہے الٰہی یعنی اللہ کی معرفت و اطاعت والا، اِس میں الف اور نون اِس لئے بڑھائے گئے تاکہ اِس صفت کے کمال کی طرف اشارہ ہو جائے۔ جیسا کہ زیادہ بالوں والے کو شعرانی، لمبی داڑھی والے کو لحیانی اور موٹی گردن والے کو رقبانی کہتے۔ جبکہ بالوں (شعر) کی وجہ سے شعری، داڑھی (لحیہ) کی وجہ سے لحیی اور گردن (رقبہ) کی وجہ سے رقبی ہونا چاہیئے۔

دُوسرا قول مبرّد کا ہے وہ کہتا ہے: (الربّانیّون) ارباب العلم و أحدهم ربّانی، وهوالذی یربّ العلم و یربّ النّاس، أی یعلّمهم ویصلحهم ویقوم بأمرهم...... الخ

علم والوں کو ربّانیّون کہتے ہیں اُنہیں میں واحد کو ربّانی کہتے ہیں۔ یعنی ربّانی وہ ہوتا ہے، جو اپنے عملِ پیہم اور جہدِ مسلسل کے ذریعے علم کو پالے، پھیلائے اور تعلیم و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو

پالے یعنی اُنہیں علم کی غذا دے، اُن کی اصلاح کرے اور اُنہیں اُمورِ دینی و دُنیوی میں ٹھوس بنیادوں پر کھڑا کرے۔

تیسرا قول ابنِ زید کا ہے وہ کہتے ہیں: الرّبّانی هوالذی یربّ النّاس، فالرّبّانیّون هم ولاة الامّة والعلماء۔ یعنی ربّانی وہ ہے جو لوگوں کی تربیت کرے اگر اُن کے ظاہر کی اصلاح اور درستی کرے تو اُسے مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ کہا جائے گا اور باطنی اصلاح و تربیت کرے تو اُسے عالِم اُمّت کہا جائے گا۔

چوتھا قول ابوعبیدہ کا ہے وہ کہتے ہیں: أن هذه الکلمة لیست بعربیة انماهی عبرانیة، أوسریانیة وسواء کانت عربیة أوعبرانیة، فهی تدل علی الانسان الذی علم و عمل بماعلم، واشتغل بتعلیم طریق الخیر۔ یعنی یہ کلمہ (ربّانی) عربی زبان کا نہیں بلکہ یہ عبرانی یا سریانی کا ہے اور چاہے یہ عربی ہو یا عبرانی، مفہوم کے اعتبار سے یہ کلمہ ایسے انسان پر بولا جاتا ہے جو علم حاصل کرے اور پھر حاصل کردہ علم کے مطابق عمل بھی کرے اور اچھائی کے طور طریقے لوگوں کو سکھانے میں مشغول رہے۔

علّامہ علاؤالدین علی خازن اپنی تفسیرِ خازن میں اِس لفظ پر مفصّل گفتگو فرماتے ہیں، ہم یہاں مختصرًا اِس کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ تفسیرِ خازن میں ہے: واختلفوا فی معنی الرّبّانی فقال ابن عباس معناه کونوا فقهاء علماء وعنه کونوا فقهاء معلّمین و قیل معناه حکماء حلماء...... الخ یعنی لفظِ ربّانی کے معنٰی میں کافی تفصیل اور اختلاف ہیں۔ حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اِس کے معنٰی ہیں تم عالم اور فقیہ بن جاؤ اور آپ ہی سے منقول ہے کہ تم فقیہ اور معلّم بن جاؤ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اِس کے معنٰی ہیں حکمت اور حلم والوں کو ربّانی کہا جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ ربّانی وہ ہوتا ہے جو اپنے علم کے ذریعے لوگوں کی تربیت کرے اور یہ معنٰی بھی ہیں کہ ربّانی وہ ہوتا ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے، یہ معنٰی بھی ہیں کہ حلال، حرام، امر اور نہی کا علم رکھنے والا ربّانی کہلاتا ہے۔ یہ معنٰی بھی ہیں کہ جو شخص

علمِ بصیرت اور علمِ سیاست کا جامع ہو اُسے ربّانی کہا جاتا ہے' چنانچہ جس دن حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ کا وصال ہُوا' حضرت علیؓ کے فرزند محمد بن حنفیہؒ نے فرمایا کہ آج اِس اُمّت کا ربّانی وفات پا گیا۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انبیائے کرام علیہم السّلام کی تعلیمات کے نتیجے میں اُن کے متّبعین اور کلمہ گو خالص الاعتقاد' موحّد' عالِم باعمل اور لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلانے والے بنتے ہیں نہ کہ مُشرک اور ضعیف الاعتقاد۔

نکتۂ دقیقہ

یہاں یہ بات بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا یأمرکم ان تتخذوا الملئکة والنبیّین أربابًا۔ وہ (انبیاء علیہم السّلام) تمھیں اِس بات کا حکم نہیں دیتے کہ تم فرشتوں اور نبیّوں کو ربّ بنالو۔ آخر صرف ملائکہ اور انبیاء کے بارے نفیِ ربوبیّت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ امام فخر الدّین رازیؒ اِسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیرِ کبیر میں اِس کا جوابِ شافی یُوں دیتے ہیں: انما خص الملئکة والنبیّین بالذکر لان الذین وصفوا من أهل الکتاب بعبادة غیراللّٰه لم یحك عنهم الا عبادة الملئكة وعبادة المسیح وعزیر' فلهذا المعنی خصهما بالذکر۔

ترجمہ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بہ طورِ خاص فرشتوں اور نبیّوں کا ذکر اِس لئے کیا کہ یہاں غیرُاللّٰہ کی عبادت پر اہلِ کتاب کا تذکرہ ہو رہا ہے اور اہلِ کتاب فرشتوں اور نبیّوں ہی کی عبادت کیا کرتے تھے' جیسا کہ حضرتِ عیسٰیؑ و عُزیرؑ کی عبادت نصارٰی اور یہود کرتے تھے اور صابئین فرشتوں کی' اِسی سبب سے اِن دو گروہوں (ملائکہ و انبیاء) کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔

معلوم ہُوا کہ جس ماحول میں جہاں بھی اللہ کے سوا کسی کے متعلّق ربوبیّت یا معبودیّت کا تصوّر قائم کیا گیا ہو' وہاں اُسی کی نفی ہو گی چاہے وہ کوئی بھی ہو' بُت ہو یا کوئی برگزیدہ شخصیت۔

اب بہ طورِ خلاصہ یہ بات ذہن میں رہے کہ وہ بشر جس کو انسانیّت کے اعلیٰ ترین درجہ

یعنی مرتبۂ نبوّت پر فائز کیا جائے، چاہے وہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام ہوں یا سیّد المرسلین جناب محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ہوں وہ کسی کو اللہ کے غیر کی عبادت کا حکم نہیں دیں گے اور جب نفیِ شرک کرتے ہوئے غیرُ اللّٰہ کی عبادت کی تردید کریں گے تو وہ اپنے آپ کو بھی اِسی غیرُ اللّٰہ کی فہرست میں رکھ کر بات کریں گے اور اُنہیں اِس بات پر کوئی افسوس نہیں ہو گا، بلکہ یک گُونہ فرحت و انبساط کا احساس ہو گا کہ ہم اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہے ہیں۔ اِسی بات کی تائید میں ایک اور حوالہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں۔ امام رازیؒ اِسی آیتِ مذکورہ کے متعدّد اسباب اور شانِ نزول بیان کرتے ہوئے تیسرا قول یہ نقل کرتے ہیں۔ (الثالث) قال رجل یا رسول اللّٰہ نُسلِّم علیك کما یسلم بعضنا علی بعض، افلا نسجدلك؟ فقال علیه الصلاة والسلام "لاینبغی لاحدأن یسجد لأحد من دون اللّٰہ، ولكن أكرموا نبیّكم وأعرِفوا الحق لأهله۔

ترجمہ: ایک شخص (مسلمان) نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ یارسولؐ اللہ! ہم آپ کو سلام اُسی طرح کرتے ہیں، جس طرح ایک دُوسرے کو سلام کہتے ہیں۔ آپؐ اجازت دیں کہ ہم آپؐ کو امتیازی سلام بہ صورتِ سجدہ کریں، اِس پر رسول اکرمؐ نے فرمایا کسی شخص کے لئے یہ جائز و مناسب نہیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کا سجدہ کرے، البتّہ تم اپنے نبی کی عزّت و تکریم کرو اور اُس کے اُن حقوق کا پُورا لحاظ رکھّو جو مقرّر کیئے گئے ہیں یا اُس نبی کی نسبت سے اُس کے گھر والوں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھّو۔

دیکھئے! سائل نے حضور علیہ السّلام سے آپؐ کو سجدہ کرنے کی اجازت مانگی اور آپؐ نے جب غیرُ اللّٰہ کے سجدے کی مطلق نفی کی تو مِن دُونِ اللّٰہ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ ظاہر ہے یہاں کیونکہ آپؐ سے آپؐ ہی کے لئے سجدہ کی اجازت مانگی گئی تھی تو آپؐ نے مِن دُونِ اللّٰہ سے اپنی ذات بھی مُراد لی۔

تفسیرِ خازن کے حوالے سے ہم حضور علیہ السّلام کا جواب نقل کر آئے ہیں۔ آپؐ

نے فرمایا کہ معاذ اللّٰہ أن آمر بعبادة غیر اللّٰہ......الخ۔ یہاں آپ نے لفظِ غیرُ اللّٰہ اپنے لئے ہی استعمال فرمایا اور متعدّد تفاسیر کے حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اِس آیتِ محوّلہ بالا میں ماکانَ لبشرٍ سے مُراد حضرت عیسٰی علیہ السّلام اور حضرت محمد مصطفٰی ﷺ ہیں۔ لہٰذا ہمارا موقف روزِ روشن کی طرح ثابت اور واضح ہوگیا۔ نیز یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اگر کسی ایسے کام کا ارادہ کوئی مسلمان بھی کرے، جس کا راستہ شرک کی طرف جاتا ہو تو وہاں ترھیبًا، تنبیھًا اور تردیدًا وہی جُملے کہے جائیں گے، جو مُشرکین کو مخاطب کرکے کہے جاتے ہیں۔ چنانچہ اِن محوّلہ بالا دو آیات میں سے آخری آیت کے اختتامی کلمات أیأمرکم بالکفر بعد اذانتم مسلمون کی تفسیر میں تفسیرِ کبیر میں صاحبِ کشّاف کا یہ قول نقل ہُوا ہے:
قال صاحب الکشاف قوله (بعد اذ أنتم مسلمون) دلیل علٰی أن المخاطبین کانوا مسلمین وھم الذین استأذنوا الرسول صلی اللّٰہ علیه وسلم فی أن یسجدواله اور تفسیرِ مدارک میں بھی اِسی مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں: (بعداذ أنتم مسلمون) یدل علٰی أن المخاطبین کانوا مسلمین وھم الذین استأذنوہ أن یسجدواله۔ ترجمہ: اِس آیت کے اِن الفاظ سے اِس بات پر دلیل مِلتی ہے کہ اِس آیت میں مخاطب وہ مسلمان ہیں، جنہوں نے حضور علیہ السّلام سے آپ کے لئے سجدہ کی اجازت مانگی تھی۔

اب بتایئے کہ مِن دُونِ اللّٰہ اور غیرُ اللّٰہ کے الفاظ فقط بُتوں کے لئے مخصوص رکھنے اور آیات ردِّ شرک کو زمانۂ اُولٰی کے کفّار و مُشرکین پر ہی منطبق کرنے کی رٹ لگانے والے کہاں تک حقیقت پسند ہیں؟

قندِ مکرّر

قرآنِ مجید نے اُن کے اِس نقطۂ نظر کی بطورِ خاص ہر جگہ نفی اِس لئے فرمائی ہے کہ وہ بے جان اور بے شعور پتّھروں کو حاجت بر آر سمجھتے تھے، یہ اُن کا انتہائی گھٹیا پن تھا۔ رہی

یہ بات کہ کیا وہ لوگ جو وفات پا چکے ہیں وہ مِن دُونِ اللّٰہ میں داخل ہیں یا خارج؟ اِس بحث میں پڑنے سے پہلے صرف ایک بات ذہن نشین کر لینا چاہیئے' وہ یہ کہ انسان کی حاجات پُوری کرنا اور مشکل لمحات میں اُس کی پُکار کو سُننا اور پھر اُس کی مدد کرنا یہ صرف اور صرف خاصۂ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے حاجت طلب کرنے اور اُس سے مدد مانگنے میں کسی قسم کی کسر یا کمی کا اندیشہ لاحق ہوتا ہو تو پھر کسی اور دروازے کی طرف رجوع کرنا سائل کو زیب بھی دیتا ہے یا اُس کے اِس عمل کے جواز یا عدمِ جواز کے بارے کچھ سوچا بھی جا سکتا ہے۔ مگر جب سب سے بڑا دروازہ ہی اُس جگ داتا کا ہے اور پھر اُس نے انسانوں سے برملا فرما بھی دیا ہے کہ تم سب میرے منگتے ہو' لہٰذا مجھ ہی سے مانگا کرو۔ ساری مخلوق کی ہر حاجت پُوری کرنے والا مَیں ہی ہوں۔ غم والم میں جب گِھر جاؤ تو مجھ ہی سے مدد مانگا کرو۔ جب میں تم سب کی فریادیں سُنتا ہوں تو پھر کسی اور کی طرف جانے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے چاہے وہ کسی بُت کا در ہو' یا کسی انسان کی چوکھٹ ہو۔

دُوسری سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعدِ وفات کسی انسان سے حاجات طلب کرنا اور اُسے مشکل میں پُکارنا یا اُس سے مدد مانگنا کسی بھی نبی یا رسول کی سُنّت نہیں۔ جناب آدم علیہ السّلام سے لے کر رسالت مآب ﷺ تک کسی نبی اور رسول کے کسی قول یا عمل سے ثابت نہیں کہ اِس گروہِ پاک کے کسی فرد نے اپنے کسی مقصد یا حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی زندہ یا وفات یافتہ اولوالعزم پیغمبر کو پُکارا ہو۔ اگر ایسی کوئی بات حضور ختمی مرتبتؐ سے ثابت ہو تو پھر کسی وفات یافتہ پیغمبر اور پیر سے حاجات طلب کرنے یا اُسے مدد کے لئے پُکارنے کا جواز نکل سکتا ہے، مگر کم از کم ہماری نظر سے کسی نبی یا رسول کا کوئی ایسا عمل نہیں گزرا حتّٰی کہ جنابِ رسالت مآبؐ سے بھی کوئی ایسی روایت ثابت نہیں، جس کی بنا پر صالحینِ اُمّت کو اُن کی وفات کے بعد حاجات بر آری یا مدد طلب کرنے کے لئے زحمت دی جائے ، بلکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے واضح طور پر ارشاد فرمایا۔ اذا استعنتَ فاستعن بِاللّٰہ واذا سألتَ فاسْئَل اللّٰہ (رواہ التّرمذی)

ترجمہ: جب تُو نے کسی مشکل میں مدد طلب کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے طلب کر اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے براہِ راست مانگ! حدیثِ پاک کے الفاظ میں فاستعن صیغۂ امر ہے اور یہاں بمعنیٰ وجوب ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا واجب ہے۔ اب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اِس ارشاد کے بعد کون سی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ بھی کہیں نہیں فرمایا کہ چلو اللہ کے بعد کبھی کبھار مجھ سے بھی مدد مانگ لیا کرو یا مجھے بھی حاجت طلب کرنے کے لئے پُکار لیا کرو۔ جب یہ سلوک نبی نے اپنے لئے جائز قرار نہیں دیا، بلکہ اِس منصب کا مالک صرف اپنے مقتدرِ اعلیٰ اور اپنے ربّ ہی کو سمجھا تو اُمّت میں سے کون شخص یہ جرأت کر سکتا ہے کہ وہ حاجت برآری اور مدد دینے کا اہل کسی پیر، فقیر یا کسی اور انسان کو سمجھے، یا اِس کی تشہیر کرے۔ متذکرہ بالا دلائل اور شواہد کی روشنی میں جو شخص ایسا کرتا ہے اُس کے عقائد میں جراثیمِ شرک کا غلبہ ہے، اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دے۔

اعانت و استعانت کے موضوع پر بحمد اللہ ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں اور قرآن و سُنّت کے دلائلِ قطعیّہ سے یہ امر آفتابِ نیمروز کی طرح مُبرہن ہو چکا ہے کہ مافوقُ الاسباب استعانت کے لائق صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے، ہاں تحت الاسباب اُمور میں استعانت کی نسبت مخلوق کی طرف کی جا سکتی ہے اور یہ شرعًا ممنوع نہیں۔ چونکہ قرآنِ مجید آخری اور قطعی منشور ہے، پس اِس میں جن عقائد کا ذکر کیا گیا، وہ بھی قطعی ہونے کے سبب ہر مسلمان اور کلمہ گو کے لئے واجب التّسلیم ہیں، جن کا انکار کُفرِ صریح ہے۔ استعانت کے سلسلے میں جیسا کہ ہم نے اوراقِ سابقہ میں تفصیلاً ذکر کیا، انبیاء و مُرسلینِ ماسبق کا بشمولِ سیّدِ عالم علیہ السّلام یہ معمول رہا کہ وہ ہر مُشکل میں صرف اپنے خالق و مالک ہی سے استعانت والتماس کیا کرتے تھے۔ یہاں ہم قرآنِ مجید کی ایک اور آیت اپنے موقف کی تائید میں پیش کرنا چاہتے ہیں، ارشاد ہُوا: ام حسبتُم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضّرّاء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین اٰمنوا معه متٰی

نصر اللّٰہ۔(البقرہ' آیت 214) ترجمہ: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یونہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی مُشکلات پیش آئی ہی نہیں' اُن کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکالیف پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیئے گئے' یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو اُن کے ساتھ تھے' سب پُکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔

اِس آیۂ مبارکہ کے مفہوم پر نظر ڈالیئے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ انبیائے ماسبق کے ادوار میں جب بھی اُن کی اقوام پر کوئی آفتِ ناگہانی آتی تو وہ اپنی اُمت سمیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مافوقُ الاسباب مدد کے منتظر ہوتے تھے۔ حالانکہ آج کے عقیدے کے مطابق اُن کی اُمّتوں کو اپنے اپنے انبیاء سے مدد مانگنا چاہیئے تھی' مگر قرآن بتا رہا ہے کہ انبیائے ماسبق کی اُمّت مشکل پڑنے پر انبیاء کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے مدد طلب کرتی تھی۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ اپنی اپنی اُمّتوں کے لئے انبیائے ماسبق کا درس ہی یہ تھا کہ وہ اللہ ہی سے مدد مانگا کریں اور اِس کا عملی ثبوت وہ اِس طرح دیا کرتے تھے کہ اُمّت کے ساتھ مل کر اللہ کی مدد کے خود بھی منتظر رہا کرتے تھے تو نتیجتاً اللہ کی ذات کے ساتھ اُن کی اُمّتوں کا ایمان اور بھی پختہ ہو جاتا' منشورِ انبیاء اور مقصدِ بعثتِ مُرسلین کے ساتھ ساتھ انسانی قلوب میں توحید کے اِسی عقیدے کو راسخ کرنا ہی تمام انبیاء علیہم السّلام کی مساعیِ تبلیغ کا حاصل اور محور تھا۔ غزوۂ بدر کی رات اور دن پیغمبرِ اسلامؐ کا رو رو کر بارگاہِ الٰہی میں سر بہ سجود ہونا اور یاحیُّی یا قیّوم کا ورد کرتے ہوئے عَونِ الٰہی کا انتظار اِسی سلسلۂ توحید و یقین کی کڑی ہی تو ہے۔ اب اُن اُمّتوں کے بارے کسی کا یہ کہنا کہ اُن کا یہ عمل اپنے انبیاء سے گستاخی اور اُن سے عدمِ ارادت و ادب پر مبنی تھا کس قدر غلط اور اِس قرآنی وضاحت کے کس قدر خلاف ہو گا۔ حالانکہ اُن اُمّتوں کے پاس تحت الاسباب تمام حیلے وسیلے موجود ہوتے' اِس کے باوجود وہ کسی غیر مرئی اور مافوقُ الاسباب نصرت کے منتظر رہتے' اِس سے معلوم ہُوا کہ جب تمام اسباب جواب دے جائیں تو مافوقُ الاسباب بھی ایک ایسا عالَمِ نصرت ہے' جسے اہلِ ایمان

نصرتِ غیبی سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسی نصرت دینا صرف اُسی قادرِ مطلق کے قبضۂ قُدرت میں ہے، جو اپنے خلّاقی کمالاتِ ذاتیہ سے پُوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ رسولوں کا منتظرِ نصرت رہنا اِس بات کی ایک بہت بڑی ناقابلِ تردید اور منصوص دلیل ہے کہ وہ اپنے اِس منصوص عہدۂ نبوّت و رسالت کے باوصف پھر بھی عبدہٗ و رسولہٗ ہی ہیں۔ ورنہ ایسی مشکلات کے مواقع پر جب ایک ولی اپنی کرامت دِکھا کر نصرتِ غیبی کا انتظار کیئے بغیر مشکلات حل کر سکتا ہے تو آخر یہ کون سا موقع ہے کہ ایک پیغمبر باوصفِ نبوّت اپنا کوئی معجزہ نہیں دِکھا رہا اور نہ اُمّت کے عذاب ٹلنے کو اپنے کسی معجزہ کا کرشمہ قرار دے رہا ہے اور نہ یہ کہہ رہا ہے کہ تم مشکلات کا فکر مت کرو، مَیں تمہاری تمام آفات اور مشکلات دُور کر سکتا ہوں۔ بلکہ وہ تو خود بارگاہِ صمدیّت میں اپنا سرِ نیاز جُھکائے اپنی اُمّت کے افراد کی صف میں کھڑا ہو کر مستعانِ حقیقی ہی سے مدد طلب کر رہا ہے۔ اگر کوئی شخص محض خوش عقیدگی کی رَو میں بہہ کر قرآنِ مجید کی اِس آیت مبارکہ میں بیان کیئے جانے والے اِس پیمبرانہ عمل اور عقیدے کی تکذیب کرتا ہے تو یاد رہے کہ پھر اُسے ایمان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ کیونکہ یہ ہمارا یا آپ کا عقیدہ یا نقطۂ نظر نہیں کہ جسے رد بھی کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ تو اللہ کے آخری پیغمبرِ پاک پر نازل ہونے والی آخری کتاب کا فیصلہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔ اِسی طرح ایک اور مقام پر قرآنِ مجید میں موسٰی علیہ السّلام کے حوالے سے آتا ہے۔ قال موسٰی لقومه استعینوا باللّٰه واصبروا۔ (سورۂ اعراف، آیت128) کہ موسٰی نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر سے کام لو۔ موسٰی علیہ السّلام یہاں یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ مَیں چونکہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ایک عظیم عہدہ پر فائز ہوں لہٰذا تم اپنی مشکلات و حوائج میں مجھ سے مدد مانگ لیا کرو۔ مگر ایسا نہیں کہا، بلکہ یہ کہا کہ تم اللہ ہی سے استعانت کرو۔ قرآن کی اِس وضاحت سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ آدم علیہ السّلام سے حضور سیّدِ عالم ﷺ تک مبعوث ہونے والے تمام انبیاء و رُسُل کا اپنا عقیدہ بھی یہی تھا اور اِس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی قوموں کو

بھی اِسی عقیدہ پر سختی سے کاربند رہنے کے احکام صادر فرمایا کرتے تھے۔ بعد میں اگر کوئی اپنے کسی خودساختہ نظریّہ کو انبیاء و رُسل پر ٹھونستا ہے تو یہ ایک بہت بڑا اتہام اور کُفر کے مترادف عمل ہے۔ (اعاذنا اللّٰہ منہ)

ایک اور مقام پر حضرت نوح علیہ السّلام بارگاہِ ایزدی میں استعانت کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔ فدعا ربہ انی مغلوبٌ فانتصر۔ کہ حضرت نوحؑ نے اپنے ربّ کو پُکار کر عرض کی کہ مَیں مغلوب ہوں میری مدد فرما! اِس آیت میں دو مسئلے حل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک الوالعزم نبی اپنی تمام تر موہوبی قوٰی، فطری کمالات اور رسالت کی عظمتوں کے باوجود مشکل وقت میں اپنے معبود و مالک ہی سے استعانت کر رہا ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر واعظین اور نیم خواندہ طبقہ یہی بتاتا ہے کہ بزرگانِ دین سے مدد مانگو۔ صوفیاء کا مقام بہت بُلند سہی مگر کسی رسول یا نبی کے برابر تو ہونے سے رہا۔ مقامِ غور ہے کہ جب صوفیاء و عارفین سے بھی کہیں بُلند مقام رکھنے والا ایک نبی اپنے آپ کو دشمنوں کے سامنے مغلوب پاکر اللہ ہی سے مدد طلب کر رہا ہے اگر وہ ذاتی طور پر منبعِ نصرت ہوتا تو اُسے اُوپر سے مدد مانگنے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی۔ معلوم ہُوا کہ جملہ بزرگانِ دین بشمولِ انبیاء و رُسل اللہ تعالیٰ کے نہ صرف محتاج ہیں، بلکہ تمام حوائج میں اُسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ دُوسرا مسئلہ یہ حل ہُوا کہ اِس آیت میں دعا ربّہ نے واضح کر دیا کہ جن ذوات کو آج کا مسلمان پُکارتا اور اُن سے مافوق الاسباب مدد طلب کرتا ہے، اُن کی اپنی سُنّتِ سنیّہ ہمیشہ یہ رہی کہ وہ خود ہر مشکل میں اپنے خالق و مالک ہی کو پُکارا کرتے تھے، اور یہی حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسے اکابر اہلِ سُنّت کا وطیرہ، اندازِ تبلیغ اور طریقۂ تعلیم تھا۔ ہم صرف نام کے اہلِ سُنّت ہیں، کام کے اہلِ سُنّت یہی لوگ تھے......ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ہمارے بعض بلکہ اکثر حضرات جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ مقدّس شخصیات سے مدد طلب کرنے کو خوش عقیدگی کی بنیاد تصوّر کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اُنھوں نے ایسا نہ کیا تو وہ

دائرۂ اہلِ سُنّت سے خارج قرار پائیں گے، یہ محض اُن کا خیال ہے، جس کی پُشت پر قرآن و سُنّت سے کوئی قوی دلیل موجود نہیں۔ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کے مطالب میں کھینچا تانی اور دُور از کار تاویلات کرتے ہوئے اپنے ذہنی اور خود ساختہ عقائد کو ثابت کرنا وقتی طور پر عوام پر تو اثر انداز ہو سکتا ہے، مگر حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسے اکابر کے ٹھوس عقائد کے سامنے ایسی تاویلات اور کھوکھلے عقائد ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ حضرت پیرانِ پیرؒ اور دیگر جلیل القدر صوفیاء و علمائے اُمت کے قائم کردہ دلائل کا تعلّق براہِ راست قرآن و سُنّت سے ہے اور اُن کے محلّاتِ عقائد محض ہُوا پر تعمیر نہیں تھے، بلکہ اُن کی دیواروں کو انتہائی تعمّق و ژرف نگاہی سے صحابہؓ و اہلِ بیتؓ کے قواعد پر اُٹھایا گیا اور خشتِ اوّل سے آخری خشت تک میں قرآن و سُنّت کے منصوص خمیر کو صرف کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ اولیائے سلف کے اِن شاندار اور فلک بوس محلّاتِ عقائد میں سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود نہ کوئی شگاف پڑا اور نہ کہنہ سالی کے آثار رُونما ہوئے۔ ہمارے اِس دعوٰی کی دلیل بالخصوص حضرت پیرانِ پیرؒ کے وہ سُنہری خطبات ہیں، جو آپ نے مدینۃ العلوم اور عروُس البلاد بغداد میں مسلسل چالیس سال بیٹھ کر دیئے اور آج تک جن کا ایک ایک حرف نہ صرف زندہ ہے، بلکہ مسافرانِ منزلِ توحید کو پکار پکار کر اپنی طرف بُلا رہا ہے کہ آؤ رسالت مآب ﷺ اور جملہ انبیائے ماسبق کا مقصد و خلاصۂ تبلیغ یہ ہے، جو مَیں بیان کر رہا ہوں۔ نہ وہ جو تم لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ کیا تم ہمیں بدعقیدہ سمجھتے ہو؟ کیا تم ہمیں دائرۂ اہلِ سُنّت سے خارج خیال کرتے ہو؟ کیا ہمارے عقائد انبیاء علیہم السّلام کے عقائد کے مخالف ہیں؟ اگر ہمارے عقائد خراب ہیں، ہم سُنّی نہیں ہیں تو پھر تم ہمیں پیرانِ پیر اور غریب نواز کے الفاظ سے کیوں یاد کرتے ہو۔ ہمارے نام پر لاکھوں روپے کیوں جمع کرتے ہو، لوگوں کو ہمارے نام پر کیوں لُوٹتے ہو، گیارہویں شریف اور چھٹی شریف کی محافل منعقد کر کے دُنیا میں اپنے آپ کو کیوں نیک نام ثابت کرتے ہو اور ہمارے ساتھ ایسی منافقانہ اور غرضمندانہ عقیدت کا

اظہار کر کے ہماری آنکھوں میں کیوں دُھول جھونکتے ہو......ع

شرم تم کو مگر نہیں آتی

باری تعالیٰ کی حلِّ مشکلات سے سبکدوشی (معاذاللہ)

بہ ظاہر یہ عنوان کُفریہ ہے، مگر معاذاللہ یہ میرا عقیدہ نہیں، اِس کی تفصیل ذرا آگے ملاحظہ فرمایئے گا۔ بات یہ ہے کہ جب شرک کسی شخص پر بُھوت بن کر سوار ہو جاتا ہے تو پھر......ع

می بردازوے صفاتِ مردمی

کے مصداق وہ شخص اپنی زبان اور قلم سے عجیب و غریب عقائد کا اظہار شروع کر دیتا ہے۔ توحید ایمان کی اصل ہے اور ایمان حیاء ہے، جبکہ شرک کفرِ اصرح واقبح اور کُھلی بے حیائی کا نام ہے۔ بفحوائے احادیثِ طیّبہ الحیاء شعبة من الایمان او الحیاء من الایمان اور اذافاتك الحیاء فاصنع ماشئت اَو کما قال علیه الصّلٰوۃ والسّلام۔ نیز حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ و خطبات کے حوالے سے ہم یہی بات اپنے مقالہ پیرانِ پیرؒ کی شخصیّت، سیرت اور تعلیمات میں نقل کر چکے ہیں۔ اِسی شرک کے بُھوت نے جب زمانۂ حال کے ایک محترم مناظر اور شیخ الحدیث کے سر پر ڈیرہ جمایا اور بستر لگایا تو اُن کے قلم سے ایک عجیب عقیدۂ واہیہ کا ظہور و صدور ہُوا۔ موصوف نے اپنا یہ غیر مطبوعہ مقالہ مجھے ارسال فرمایا، جس پر سرِ دست ہم کسی قسم کے تبصرہ کا حق اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں۔ البتّہ بالغ نظر قارئین اور قرآن و سُنّت کی تعلیمات پر ایمان رکھنے والے منصف مزاج اربابِ علم سے یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ باری تعالیٰ کے بارے ایک شیخ الحدیث کے درجِ ذیل عقیدہ پر اپنا تبصرہ تحریری صورت میں ہمیں ضرور بھیجیں۔ عبارتِ محوّلہ بالا ملاحظہ فرمائیں۔ ”نیز قابلِ غور امر یہ بھی ہے کہ وصول کے بعد تو کسی دُوسرے سے عطاء و منع و نفع و ضرر کا عقیدہ شرک ہے، لیکن سالک اور سیر الی اللہ والے کو شیخ

کے حق میں عطاء و منع و نفع و ضرر کا مالک سمجھنا اور اِن اُمور میں اُس کا دستِ نگر اور محتاج سمجھنا شرک نہیں ہے تو اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ پُوری کائنات میں ہر کام اور فعل میں مؤثّر اور مدبّر نہیں، بلکہ دُوسرے حضرات بھی اُس کے ساتھ تدبیر و تصرّف میں شریک ہیں، بلکہ مشکل کام اولیاء و مُرشدین کے سُپرد فرما دیتا ہے اور نسبتًا آسان کام اپنے ذمّہ کرم پر لے لیتا ہے، کیونکہ مُرید کے نفس اور ہوائے نفسانی اور تمنّا و آرزو کی موت ہی زیادہ کٹھن ہے۔ اِس کے بعد کا مرحلہ اِس قدر دشوار نہیں، اِس لئے سلوک کے مراحل اور سیر الی اللہ کے منازل ہر کوئی طے نہیں کر سکتا تو اِس اہم مرحلہ کو مُرشد کے سُپرد کرنا صرف شرکت کو ہی مستلزم نہیں، بلکہ مُرشد کے تصرّف و تدبیر میں اقویٰ ہونے کو مستلزم ہو گا۔ (انتہٰی)

محوّلہ بالا سطور میں جو کچھ شیخ الحدیث صاحب نے بیان فرمایا ہے، اِس سے کم از کم مجھے اتّفاق نہیں ہے، قرآن و سُنّت کے دلائل کے حوالے سے محوّلہ بالا عبارت پر کسی قسم کا فتویٰ لگانا تو مفتیانِ شریعت کا کام ہے۔ سرِ دست یہاں اتنی گزارش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ شیخ الحدیث صاحب کا محوّلہ بالا عقیدہ حضرت پیر مہرِ علی شاہ گولڑویؒ کی تصریحات کے سراسر منافی ہے، جو ہم نے اُن کی تصنیف تصفیہ مابینِ سُنّی و شیعہ کے حوالے سے اپنے اِسی مقالہ کے صفحہ نمبر 20 پر نقل کی ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب اور حضرت گولڑویؒ کی تصریحات و عقائد کے مابین جو فرق پایا جاتا ہے، قارئین اُسے خود پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ باری تعالیٰ کی ذات و صفات اور توحید کے بارے کس کا عقیدہ غلط اور کس کا عقیدہ صحیح ہے۔

درستگیٔ عقائد کے سلسلہ میں حضرتِ اعلیٰؒ کی تنبیہات

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آخری تصنیف تصفیہ مابینِ سُنّی و شیعہ کے آخر میں تنبیہِ ضروری کے عنوان سے جو چند سطور بہ سلسلۂ درستگیٔ عقائد اُن کے اپنے الفاظ میں تحریر ہیں، وہ بلاشبہ خلاصۂ قرآن و سُنّت ہیں۔ ہم یہاں اُنہیں تبرّکًا نقل کرتے ہیں۔ آپؒ نے لکھا:

قال اللّٰہ تعالٰی: یا اھل الکتاب لاتغلوافی دینکم غیرالحقّ ولاتتّبعوآ اھوآء قومٍ قدضلّوا من قبل واضلّوا کثیراوّضلّوا عن سوآء السّبیل○ (المآئدہ77)

ترجمہ: اے اہلِ کتاب دین کی بات میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے دُوسروں کو بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

اللہ تعالیٰ کو اعتدال اور میانہ روی ہر کام میں پسند ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے، جس کی درخواست کے لئے ہم مأمور ہیں۔ غُلو اور تجاوز گو امن ہی میں ہو، مُوجبِ ضلالت و غضبِ الٰہی ہے۔ بہت سے ایسے کام ہیں جو فی ذاتہٖ صحیح، بلکہ منجملہ اسبابِ کمالِ ایمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں، باوجود اِس کے بوجہ غلوّ اور حد سے بڑھ جانے کے بد طینت اور فاسد الرّائے انسان اِنہی اُمورِ صحیحہ سے نتائجِ فاسدہ استنباط کرلیتا ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ ایسے نتائج کو شیاطینِ معنویّہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔ مثلاً حُبِّ اہلِ بیت بشہادتِ قرآن و حدیث و قراردادِ اہل اللہ کمالِ ایمان کا مُوجب ہے، بلکہ بلحاظِ اُصول عینِ ایمان سمجھا گیا ہے۔ اِس اصلِ صحیح میں غُلوّ کرنے والے دو2 فرقے ہوئے۔ ایک فریق نے بُغض و سَبّ صحابہؓ کرام کا راستہ لے لیا کہ اُنھوں نے بعدِ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے (بخیال اُن کے) اہلِ بیتؓ کا منصب اور حق غصب کرلیا ہے۔ دُوسرا فریق معاذاللہ خُدا اور رسولؐ اور جبرائیلؑ تک کے گستاخ ہوئے، بدیں خیال کہ رُتبۂ اہلِ بیتؓ کے صحابہؓ سے تقدّم پر نص کیوں نہیں وارد ہوئی۔ یہ سب اِسی اصلِ صحیح حُبِّ اہلِ بیتؓ میں غُلوّ کے نتائجِ فاسدہ ہیں۔ ایسے ہی اللہ کے نیک بندوں کی محبّتِ خُدا کے قُرب کے ذرائع سے ہے اور اِس کے باوجود اگر حد سے بڑھ جائے، یعنی اِنہی نیک بندوں کو معبود بنا لیا جائے یا اُن کو مستقل طور پر تصرّف کرنے والا سمجھ لیا جائے یا اِس طرح تصرّف میں شریک سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی شرکت کے بغیر جہان کا انتظام نہیں

چلا سکتا، جیسے سلاطین و امراء اپنے نائبین حکّام کے بغیر سلطنت کا انتظام نہیں چلا سکتے اور اُن کی بات ماننے پر مجبور ہوتے ہیں، تو یہی محبت مُوجبِ شرک ہو جائے گی اور وہی محبّ مُشرک اور نا قابلِ مغفرت ہو جائے گا، لہٰذا حُبِّ اہلِ بیتؓ و مقبولانِ خُدا اصحابِ اعتدال اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنے والوں کے لئے تو مفید و مُوجبِ کمال ہوئی، لیکن افراط و تفریط کرنے والے دونوں فریقِ منجملہ گمراہوں کے ہوئے۔ (ملاحظہ ہو تصفیہ ما بینِ سُنّی و شیعہ، ص ۱۹)

رنگِ نظام کی بعض رباعیات پر اعتراض کیا گیا، لہٰذا ہم پر اُن کا جواب دینا لازم تھا اور پھر یہ موضوعات انتہائی حساس ہونے کے ساتھ شرعی و دینی بھی تھے۔ آئندہ بھی اگر کسی نے کوئی قابلِ جواب اعتراض کیا تو ان شاء اللہ ہم اپنی علمی بساط کے مطابق اپنا معلوماتی ماحصر ضرور پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہاں کوشش کا لفظ اِس لئے لکھ دیا کہ خانقاہی مصروفیات کے حوالے سے لوگوں کا غیر معمولی سلسلۂ ملاقات، پھر زائرین کے لئے دَم درود اور دُعاؤں میں وقت کا صرف ہو جانا مزید کسی قسم کے علمی و تحقیقی امر کی سرانجام دہی کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ تاہم میرے مالک و خالق کا مجھ پر یہ خصوصی فضل ہے کہ اِن ناگزیر مصروفیات کے باوجود مطالعۂ کتب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مَیں اِسے اپنے جدِّ امجد حضرت پیر مہر علی شاہؒ اور پھر حضرت بابوجیؒ کا اپنے لئے خصوصی فیضان سمجھتا ہوں، بقولِ راقم الحروف۔

ہم اُن کے علم کی ادنیٰ سی اک تجلّی ہیں
جو علم و فقر کے مہرِ منیر کہلائے

حرفِ آخر

معترض کے قائم کردہ سوالات کے تفصیلی جوابات ہم نے پیش کر دیئے، اِس نازک اور حسّاس موضوع پر قلم اُٹھانا اور اِس کے تمام پہلوؤں کا بہ اعماقِ نظر جائزہ لینا ایک امرِ ناگزیر تھا، کیونکہ اب یہ مسئلہ خالصتاً علمی اور فنّی مراحل میں داخل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب معترض پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم اور ذہانت کے جوہر دِکھاتے ہوئے ہمارے اِن تفصیلی جوابات پر اُٹھنے والے

اعتراضات کو تحریر میں لاکر ہمارے قائم کردہ دلائل کا رد پیش کرے، اگر اِس سلسلہ کو کسی معقول انداز اور علمی زبان میں آگے بڑھایا گیا تو ہم ان شاء اللہ کسی بھی میدان سے فرار نہیں ہوں گے، بلکہ سوال و جواب کے اِس علمی سلسلے کو کسی منطقی نتیجے تک پہنچا کر ہی دَم لیں گے، یہ سلسلہ ہم نے شروع نہیں کیا، بلکہ یہ سب کچھ معترضِ خام علم کی سلسلہ جُنبانی کا نتیجہ ہے۔ لٰہذا ہم اِس کے ہر معقول اور مشکل سے مشکل سوال کا تحریری جواب ضرور اور ضرور دیں گے۔
بقولِ اُستاد داغؔ ؎

پڑا فلک کو ابھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغؔ نام نہیں

فقیرِ کُوئے مُعطیِ حقیقی
احقر العباد، **نصیر الدّین نصیؔر** کان اللہ لہٗ
از درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف، E-11 اسلام آباد